ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

05 مئی 2023ء | شوال المکرم 1444ھ

عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے
93 سال

- حکومت، پارلیمنٹ، عدلیہ، الٰہی خیر ہو
- ملکی معیشت آئی ایم ایف کی سولی پر
- دینی مدارس کے طلبہ نسبتاً سنجیدہ کیوں ہوتے ہیں؟
- ماہِ شوال کے 6 روزے
- مسئلہ باغِ فدک اور حضرت ابوبکر کی سنتِ نبوی پر استقامت
- سادات بنی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور امامیہ مکتبہ فکر

پیام عید!

عید کے دن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر عید گاہ کی طرف گامزن تھے کہ راہ میں ایک بچہ روتا ہوا دیکھا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طفل بے آسرا کو پیار کیا اور پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ عرض کی سب بچے اپنے اپنے ماں باپ کے ساتھ عید کی مسرتوں، راحتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور میں تنہا اُداس ہوں۔ غم کی اس کھائی میں گرا تو آنسو اُبل پڑے۔

رحمت کائنات علیہ الصلوات والتحیات نے اس بچے کو اٹھایا اور اپنے کندھے پر بیٹھا لیا اور فرمایا: تو میرا بیٹا ہے میں تیری تنہائی کا مونس، میں تیرا غم خوار ہوں تو میرا دلدار ہے۔

دولت کی مستی، اقتدار کے نشہ، جاگیروں کے غرور، کارخانوں، ملوں کی چمنیوں کے دھویں، مشینوں اور ٹریفک کی وحشتوں کے شور میں کوئی ہے جو امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غریبوں، فقیروں، مسکینوں، یتیموں، ناداروں، بیماروں اور بے آسرا روتی، چلاتی، سسکتی ہوئی انسانیت کے سر پر محبت کا ہاتھ پھیرے، اسے اپنائیت کا کاندھا دے، اس کی تنہائی کو پر رونق کرے، اس کے خلوت کدہ دل و جان میں مسرتوں کا نور بکھیرے اور قبر و حشر کی وحشتوں میں کسی کو مونس جان بنائے؟

محسن احرار ابن امیر شریعت

حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد34 شمارہ 05 مئی 2023ء/شوال المکرم ۱۴۴۴ھ

Regd.M.NO.32

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تشکیل

اداریہ	حکومت، پارلیمنٹ، عدلیہ، الٰہی خیر ہو	سید محمد کفیل بخاری	2
تعزیتی شذرات	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ	سید محمد کفیل بخاری	3
//	مفتی عبد الشکور رحمہ اللہ کی شہادت	//	//
افکار	ملکی معیشت آئی ایم ایف کی سولی پر	میاں منیر احمد	4
//	دینی مدارس کے طلبہ نسبتاً سنجیدہ کیوں ہوتے ہیں؟	آصف محمود	8
ادب	نعت	ڈاکٹر تاثیر	13
//	محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں	آغا شورش کاشمیری رحمہ اللہ	14
//	نذرِ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	عاجز کمال رانا	15
//	ماں	حبیب الرحمٰن بٹالوی	16
دین و دانش	ماہِ شوال کے 6 روزے	مولانا محمد نجیب سنبھلی قاسمی	17
//	صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان	ادارہ	19
//	سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	علامہ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ	20
//	قرآن فہمی قسط نمبر (1)	منظور احمد آفاقی	22
//	میدانِ اُحد	شاہ بلیغ الدینؒ	27
//	مسئلہ باغِ فدک اور حضرت ابوبکر کی سنتِ نبوی پر استقامت (قسط نمبر 1)	عطاء محمد جنجوعہ	31
تحقیق	ساداتِ بنی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور امامیہ مکتبۂ فکر (قسط نمبر 2)	سید تنظیم حسین	38
یادِ رفتگاں	بڑے لوگ بڑی باتیں	سید شاہد زعیم فاطمی	44
مطالعہ قادیانیت	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا قادیانی کا نظریہ (آخری قسط)	شیخ راحیل احمد مرحوم	52
اخبار الاحرار	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	58
ترحیم	مسافرانِ آخرت	ادارہ	62

بفیضانِ نظر

جانشین امیرِ شریعت، امام الاحرار حضرۃ مولانا
سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ
خواجہ خواجگان حضرۃ مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ
ابن امیرِ شریعت حضرۃ مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
ابن امیرِ شریعت حضرۃ پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے فکر

پروفیسر خالد شبیر احمد • ملک محمد یوسف
مولانا محمد مغیرہ • عبد اللطیف خالد چیمہ
سید عطاء اللہ ثالث بخاری • ڈاکٹر عمر فاروق احرار
میاں محمد اویس • مولانا تنویر الحسن احرار
سید عطاء المنان بخاری • ڈاکٹر محمد آصف

atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

منتظمین ترسیلات

محمد یوسف شاد • جام ریاض احمد
0300-8020384

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک —— 300/- روپے
بیرون ملک —— 5000/ روپے
فی شمارہ —— 30/ روپے

ترسیل زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 100-5278-1

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎ 061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

سید محمد کفیل بخاری

حکومت، پارلیمنٹ، عدلیہ، الٰہی خیر ہو

وطن عزیز پاکستان تبدیلیٔ حکومت کے باوجود معاشی وسیاسی بحرانوں کی گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔ پی ڈی ایم نے اگرچہ آئینی طریقے سے عمران خان کی حکومت کو عدم اعتماد کے ذریعے چلتا کیا۔ ملک کی معاشی حالت سابقہ حکومت میں بھی کوئی اچھی نہیں تھی لیکن پی ڈی ایم کے برسر اقتدار آنے کے بعد حالات پہلے سے بھی بدتر ہو گئے ہیں۔ تب عمران خان اور اُن کی جماعت تحریک انصاف کو مہنگائی، بیروزگاری اور بدامنی کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ آج عوام موجودہ حکومت سے شکوہ کناں ہیں اور مہنگائی و بیروزگاری کے خاتمے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

ملکی آئین، قومی سلامتی، ملی وحدت اور یکجہتی کی بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ریاستی ادارے حکومت، پارلیمنٹ اور عدلیہ باہم متصادم ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ تینوں اداروں کے سربراہان وذمہ داران نے ملکی آئین سے وفاداری و پاسداری کا حلف اٹھایا ہوا ہے۔ یہ صورت حال انتہائی مضحکہ خیز، مایوس کن اور افسوس ناک ہے۔

جناب عمران خان نے پنجاب اور خیبر پختون خوا کی اسمبلیاں تحلیل کروا کر ایک طرف پی ڈی ایم کی حکومت سے خوف ناک سیاسی انتقام لیا تو دوسری طرف ملک کو بہ ظاہر نہ ختم ہونے والے بحران میں دھکیل دیا۔ عدالتِ عظمیٰ نے سوموٹو ایکشن لے کر الیکشن کمیشن کو آئین کے مطابق دونوں صوبوں میں 14 مئی کو عام انتخابات کرانے کا حکم جاری کیا۔

الیکشن کمیشن نے فنڈز نہ ہونے کی بنیاد پر انتخابات کے انعقاد سے معذرت کر لی۔ عدالت نے اسٹیٹ بینک کو فنڈز جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ پارلیمنٹ نے عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے جوڈیشل مارشل لاء اور پارلیمنٹ کی سپریمسی کو چیلنج کے مترادف قرار دیا۔

کمال یہ ہے کہ حکومت، پارلیمنٹ، الیکشن کمیشن اور عدالتِ عظمیٰ سب آئین کے مطابق اپنے اپنے مؤقف پر ڈٹ کر تمام امور انجام دے رہے ہیں۔ رہ گئے بے چارے عوام، جو نزلہ بر عضو ضعیف کے مصداق غیر آئینی اور غیر قانونی زندگی گزار رہے ہیں اور اس کی پاداش میں مہنگائی، بیروزگاری اور بدامنی کی سزا بھگت رہے ہیں۔ نہ جانے غریب عوام کب تک ناکردہ جرائم کی یہ سزائیں بھگتیں گے۔ الٰہی خیر ہو۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ:

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (انڈیا) کے ناظم اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی 22/رمضان المبارک 1444ھ/13 اپریل 2023ء کو 92 برس کی طویل عمر پا کر انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا محمد رابع ندوی اس وقت عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت تھے۔ وہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے

بھانجے اور حقیقی علمی جانشین تھے۔اُن کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں پُر نہ ہوگا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ آخری مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمہ اللہ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری رحمہ اللہ کی معیت میں علی میاں سے ملاقات وزیارت کے لیے جامعہ اشرفیہ لاہور میں حاضر ہوئے تو حضرت علی میاں نے بہت محبت اور دعاؤں سے نوازا۔اس موقع پر راقم نے ماہنامہ نقیبِ ختم نبوت کے امیر شریعت نمبرز کی دونوں جلدیں علی میاں کی خدمت میں پیش کیں۔تب انہوں نے مولانا رابع ندوی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ یہ دونوں کتب میرے بیگ میں رکھیے۔میں ان کا مطالعہ کروں گا۔پھر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ اپنی یادوں کا تذکرہ فرماتے رہے۔حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری رحمہ اللہ کو مدینہ منورہ میں اُن سے ملاقاتیں یاد کراتے رہے۔مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمہ اللہ نے اپنے مربی ومحسن حضرت علی میاں رحمہ اللہ کی علمی وراثت کو خوب سنبھالا، اس نسبت کی لاج رکھی اور ندوۃ العلماء کو ترقیوں سے ہم کنار کیا۔اپنی علمی وتحقیقی اور دینی واصلاحی تصانیف سے عالم اسلام کے مسلمانوں کی بہترین رہنمائی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرما کر انہیں اعلیٰ علیین میں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، آمین

مولانا مفتی عبدالشکور کی شہادت:

جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنما اور وفاقی وزیر مذہبی امور مولانا مفتی عبدالشکور 24 رمضان المبارک 1444ھ /15 اپریل 2023ء اسلام آباد میں ٹریفک حادثے میں شہید ہوگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔مفتی عبدالشکور رحمہ اللہ تھوڑے وقت میں شہرت کے بام عروج پر پہنچے۔وہ ایک سچے، کھرے، دیانت دار، درویش صفت، عالم باعمل اور جمعیت علماء اسلام کا قیمتی اثاثہ تھے۔اُن کی درویشی وحق گوئی اور دین داری اُن کی وزارت پر غالب رہی وہ فقیری میں بادشاہی کرنے والے انسان تھے۔کوئی جائیداد اور مالی اثاثے نہیں بنائے، حتیٰ کہ اُن کا رہائشی مکان بھی کچے گارے سے بنا ہوا تھا۔ایک اینٹ بھی پختہ نہیں۔گزشتہ سال حج کے موقع پر جس خلوص ومحبت اور دیانت داری سے حجاج کرام کی خدمت کی وہ پاکستان کی تاریخ میں مثالی تھی۔حجاج کرام کو وطن واپسی پر ڈیڑھ لاکھ روپے واپس دیے۔سادگی وضع داری اور خوش اخلاقی اُن کی شخصیت کی پہچان تھی۔مفتی عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ مولانا فضل الرحمٰن کے قریبی اور بااعتماد رفقاء میں سے تھے۔میں اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کی تمام قیادت کی طرف سے قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ اور جمعیت کی پوری قیادت اور کارکنوں سے اظہار تعزیت کرتا ہوں اور اُن کے غم میں شریک ہوں۔اللہ تعالیٰ مفتی عبدالشکور رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے وحسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔

میاں منیر احمد

ملکی معیشت آئی ایم ایف کی سولی پر

حکومت دسمبر سے مسلسل یہی کہہ رہی ہے کہ آج، کل یا اگلے ہفتے سعودی عرب، قطر اور دیگر دوست ممالک سے ڈالرز آجائیں گے اور آئی ایم ایف کے ساتھ معاہدہ ہو جائے گا۔ اب مارچ بھی گزرنے والا ہے، چین کے سوا کسی دوست ملک سے کوئی دھیلہ بھی نہیں ملا، یوں آئی ایم ایف کا پروگرام ابھی تک بحال نہیں ہو سکا۔ وزیر خزانہ کی یہ یقین دہانیاں اور بیانات مذاق اور تماشا لگنے لگے ہیں۔ ہماری ناقص معاشی پالیسیوں کی وجہ سے دنیا میں ہماری جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ اس وقت پاکستان جنوبی ایشیا کا کمزور ترین کرنسی کا حامل ملک ہے، دیوالیہ ہونے کے باوجود سری لنکا سے آئی ایم ایف کا معاہدہ ہو گیا ہے۔ بنگلہ دیش کو بھی قرض مل چکا ہے، ایک ہم ہی ہیں کہ جنہیں آئی ایم ایف کی شرائط پوری کرنے کے باوجود قرض کی اگلی قسط نہیں مل سکی۔ ادارہ جاتی یادداشت ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے مراد کسی بھی ادارے کے ماضی میں کیے گئے فیصلے ہیں۔ ماضی میں آئی ایم ایف کی طرف سے قرض چٹکی بجاتے ملتا رہا لہٰذا ہم سوچ رہے تھے کہ کوئی چیلنج نہیں ہوگا۔ ماضی میں سعودی عرب یا دیگر خلیجی ممالک بھی پیسہ دیتے رہے ہیں۔ لیکن دنیا بہت آگے نکل چکی ہے، وہ ممالک جن سے مالی امداد ملتی رہی آج ان کی وجہ سے آئی ایم ایف پروگرام رکا ہوا ہے کہ وہ خود بہت بدل رہے ہیں عوام پر ٹیکس لگا رہے ہیں حکومت کی شاہ خرچیاں کم کی جا رہی ہیں، وہ ممالک اب ہم سے بھی اپنی اصلاح کے خواہاں ہیں، وہ ممالک آج ہمارے حکمرانوں سے سوال کر رہے ہیں کہ جب جیب خالی ہے تو شاہ خرچیاں کیوں؟ اس وقت اصل مسئلہ ہماری ساکھ کا ہے۔ ہم وعدے کرتے ہیں اور پھر انہیں پورا نہیں کرتے۔ ملک میں سیاسی عدم استحکام بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ کسی سیاسی جماعت کو ملک کے مستقبل سے کوئی غرض نہیں ہے، انہیں صرف اقتدار چاہیے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت عالمی مالیاتی فنڈ اور دوست ممالک ہم پر اعتبار نہیں کر رہے ہیں۔ اس وقت ہماری کوئی معاشی سمت نہیں ہے۔ اگر مکمل غیر جانب داری سے دیکھا جائے تو اس میں پی ڈی ایم، عمران خان اور ماضی کے تمام اسٹیک ہولڈرز برابر کے شریک ہیں۔ جب ذاتی مفادات ملکی مفادات پر غالب ہوں تو ایسی ہی صورت حال سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ سوال اٹھ رہا ہے کہ پاکستان کا آنے والے چند ماہ میں کیا بنے گا اور سیاست کے ساتھ معیشت کا کیا ہوگا؟ سنگین حالات کی ایک تو یہ وجہ ہے دوسری وجہ امریکہ ہے۔

واشنگٹن میں رواں ہفتے ڈیموکریسی سربراہی کانفرنس ہو رہی ہے، یہ پاکستان کی سفارت کاری کے لیے ایک امتحان ہے جہاں اپنے دیرینہ اتحادی چین کو ناراض کیے بغیر امریکہ سے تعلقات بہتر کرنے کا موقع ملے گا۔ پاکستان اور بھارت

دونوں ممالک کو 2021ء میں پہلی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی جہاں بھارت نے شرکت کی لیکن پاکستان شامل نہیں ہوا تھا۔ کانفرنس میں پاکستان کی عدم شرکت کے باعث بائیڈن انتظامیہ اُس وقت کے وزیراعظم عمران خان سے دور ہوئی تھی۔ معاشی بحران سے دوچار پاکستان کے لیے یہ کانفرنس بین الاقوامی اداروں اور دوست ممالک سے فنڈز حاصل کرنے کے لیے امریکہ کی حمایت کا ایک موقع ہوسکتا ہے۔ دوسری جانب چین بھی قریب سے جائزہ لے رہا ہے کیوں کہ امریکہ نے چین کے بجائے تائیوان کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ چین نے اگر پاکستان کو اس کانفرنس میں شرکت سے روکنا چاہا تو ہم سے امریکہ ناراض ہوگا۔ پاکستان چاہتا ہے کہ واشنگٹن آئی ایم ایف سے قرض حاصل کرنے کے لیے اس کی حمایت کرے۔ پاکستان کے لیے اس کانفرنس میں شرکت کے حوالے سے ایک اور پیچیدہ معاملہ ترکیہ کو شرکت کی دعوت نہ دینا بھی ہے۔ بہرحال دیکھنا ہے کہ یہ امتحان کیا نتائج لاتا ہے۔

معاشی بحران میں گھرے پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اس وقت اپنے عروج پر ہے کہ پنجاب میں انتخابات ملتوی کیے جانے کے بعد تحریک انصاف سپریم کورٹ میں اپنا مقدمہ لے کر پہنچ گئی ہے۔ جہاں عدالت عظمیٰ کے سامنے دو سوال ہیں: کیا الیکشن کمیشن صدر کی دی گئی تاریخ بدل سکتا ہے؟ کیا الیکشن کمیشن کے فیصلے کو سپریم کورٹ بدل سکتی ہے؟ الیکشن کمیشن جو کہ خود ایک آئینی ادارہ ہے۔ اب بہت دلچسپ سوال ہے کہ اس آئینی ادارے کو کیسے توہین عدالت کا مرتکب قرار دیا جائے؟ حالیہ دنوں میں عدالت عظمیٰ بہت ہی واضح فیصلہ دے چکی تھی کہ آئین کے آرٹیکل 254 کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، الیکشن کمیشن نے اسی آرٹیکل کی بنیاد پر پنجاب میں انتخابات ملتوی کیے ہیں۔ اب سپریم کورٹ میں سماعت ہو رہی ہے۔ تحریک انصاف بھی جانتی ہے کہ کیا ہوگا۔ وہ صرف دباؤ برقرار رکھنے کے لیے عدالت میں گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بات چیت کا دروازہ بھی کھول چکی ہے۔ اس پر حکومت کا ردعمل آ گیا ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے کہا ہے کہ گرینڈ نیشنل ڈائیلاگ ہو تو تمام اسٹیک ہولڈرز شامل ہونے چاہئیں، سب کو بیٹھ کر بات چیت کرنی چاہیے۔ نیا عمرانی معاہدہ سامنے آنا چاہیے اور نئے انتخابات سے قبل یہ عمرانی معاہدہ ہوگا جس میں کسی کے لیے راستہ بند نہیں ہوگا بلکہ سب کے لیے راستے کھل جائیں گے۔ یہ بھی طے ہے کہ اب عمران خان کو بھی مذاکرات کا حصہ بنایا جائے تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے، کیونکہ سب تشویش میں مبتلا ہیں کہ ملک کی سیاست اور معیشت دونوں اس وقت پٹڑی سے اتری ہوئی ہیں۔ اور کوئی مسیحا بھی نہیں ہے جو آگے بڑھ کر معاملات سنبھال سکے۔

ملکی سیاست اخلاقی نادہندہ بن چکی اور معیشت کشکول لیے اپنوں اور غیروں کی دہلیز پر کھڑی ہے، اور کسی سیاسی جماعت کو ادراک ہے اور نہ فکر کہ ہم ملک کو کدھر لے جا رہے ہیں۔ ہر کسی کو اپنے منصب اور اختیار کا نشہ ہے، جو جتنا بااختیار ہے وہ اسی قدر اپنی ذات اور انا کا اسیر بنا ہوا ہے۔ عمران حکومت نے آئی ایم ایف سے 39 ماہ کے ایک پروگرام پر

دستخط کیے تھے اور ملکی تاریخ کا یہ سخت ترین معاہدہ تھا۔ معاہدے کے دوران ہی کورونا جیسی وبا نے آن گھیرا، یوں یہ معاہدہ طے شدہ معاہدوں پر قائم نہ رہ سکا۔ کورونا ختم ہوا تو ملکی سیاست نے کروٹ لے لی، عمران خان نے حکومت جاتے ہوئے دیکھی تو آئی ایم ایف کے معاہدے کی خود ہی دھجیاں بکھیر دیں، اور آج اسی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان اور آئی ایم ایف ایک پیج پر نہیں آ رہے۔ گزشتہ سال مئی سے پاکستان اور آئی ایم ایف پروگرام پر معاہدے اور اگلی قسط کے لیے بات چیت کر رہے ہیں لیکن گیارہ ماہ ہو گئے ہیں۔ معاہدے کی کوئی شکل نہیں بن رہی اور پاکستان کی حکومت ایک ارب بیس کروڑ ڈالر کی قسط کے لیے ریاستی ساکھ سولی پر لٹکائے کھڑی ہے۔ جب سے یہ بیان دیا گیا کہ ملک نادہندہ ہونے جا رہا ہے تب سے غیر یقینی ایسی ہے کہ حکومت کی جیب خالی ہے اور ارب پتی، کروڑ پتی لوگوں نے گھروں میں تجوریاں بھر لی ہیں۔ یوں وہ ملک سے بالکل ہی لاتعلق ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ ڈالر کی قدر بڑھ رہی ہے تو انہیں گھر بیٹھے کوئی کام کیے بغیر منافع مل رہا ہے۔ اس طبقے کے خلاف حکومتی رٹ صفر ہے۔ گزشتہ ماہ امید تھی کہ آئی ایم ایف کے ساتھ معاہدہ ہو جائے گا۔ دس روز تک مذاکرات چلتے رہے۔ توقع تھی کہ اب معاہدہ ہو جائے گا اور قسط مل جائے گی جس کے بعد دوست ملکوں اور دیگر مالیاتی اداروں سے بھی تعاون کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ لیکن قسط کے بجائے مالیاتی ادارے کی جانب سے نئی نئی شرائط سامنے آ رہی ہیں۔ آئی ایم ایف کی ایک اور شرط پوری کر دی گئی کہ اسٹیٹ بینک نے درآمدات پر کیش مارجن کی شرط 31 مارچ 2023ء سے ختم کر دی۔ درآمدات کو محدود کرنے کے لیے لگژری اور غیر ضروری اشیاء کے لیے کیش مارجن کی شرط تھی۔ حکومت نے درآمدات کو محدود کرنے کے لیے یہ پابندی اگست 2022ء میں عائد کی تھی۔ اائی ایم ایف کی ہدایت پر درآمد پر عائد کیش مارجن کو واپس لے لیا گیا ہے۔ ملکی زرمبادلہ کے ذخائر 10 ارب ڈالر سے تجاوز کر گئے۔ بینکوں کے پاس کھاتے داروں کے 5 ارب 54 کروڑ ڈالر کے ڈپازٹس ہیں، جبکہ پاکستان کے ذخائر کا مجموعی مالی حجم 10 ارب 14 کروڑ ڈالر ہے۔ چین سے 50 کروڑ ڈالر کا قرضہ ری شیڈول ہونے سے زرمبادلہ کے ذخائر مستحکم ہوئے۔ چین نے پاکستان کے ذمہ دو ارب ڈالر قرض کی ادائیگی رول اوور کر دی، دو ارب ڈالر کے چینی سیف ڈپازٹس کی واپسی ایک سال کے لیے مؤخر کی گئی۔ اتحادی حکومت اور آئی ایم ایف میں معاہدہ ہو گیا تو 22 کروڑ افراد کے نقدی کی قلت سے دو چار ملک کو ایک ارب 10 کروڑ ڈالر مل جائیں گے۔ تازہ ترین پیش رفت یہ ہے کہ آئی ایم ایف کہہ رہا ہے کہ دوطرفہ شراکت داروں کی جانب سے مالی تعاون کی یقین دہانیوں کے بعد ہی اب پاکستان کے ساتھ معاہدہ ہوگا۔ ورلڈ بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، ایشیائی انفرااسٹرکچر انوسٹمنٹ بینک اور دیگر دوطرفہ شراکت داروں میں چین، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کی یقین دہانیاں نہیں بلکہ عمل درکار ہے۔ آئی ایم ایف کا مؤقف ہے کہ فی الحال قسط کی ضرورت نہیں کیونکہ پاکستان کے پاس انتہائی ضروری اخراجات کے لیے خاطر خواہ رقم موجود ہے، اسٹاف لیول معاہدہ اسی وقت ہوگا جب

شرائط پوری کی جائیں گی۔ آئی ایم ایف کی شرائط پیاز کے چھلکے کی طرح ایک کے بعد ایک سامنے آرہی ہیں یوں ملکی معیشت کو سست شرح نمو اور بلند افراط زر جیسے خطرناک حالات کا سامنا ہے اور تباہ کن سیلاب کے باعث پیش آنے والی مشکلات الگ ہیں۔ جس کا ایک بڑا زرعی اثر گندم کی فصل پر پڑا ہے کہ لاکھوں ایکڑ کے ایک بڑے رقبے پر سیلاب کی وجہ سے گندم کی بوائی نہیں ہوسکی۔ مستقبل قریب میں ہمیں بیرون ملک سے گندم منگوانا پڑے گی۔ یوں ملک میں آٹے کا ایک شدید بحران متوقع ہے۔ دو ہفتے قبل آئی ایم ایف کی قسط کے لیے اسٹاف لیول معاہدے کا امکان تھا۔ حکومت کی حالیہ ایندھن سبسڈی اسکیم کے باعث یہ امکان دھندلا گیا ہے، وزیر پیٹرولیم وقدرتی وسائل ڈاکٹر مصدق ملک اگرچہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ آئی ایم ایف کو اس پر کوئی اعتراض نہیں، وزارت کو قیمتوں کے تعین کے منصوبے پر کام کرنے کے لیے 6 ہفتے کا وقت دیا گیا ہے۔ مفتاح اسماعیل کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ قسط کی بحالی کی راہ میں رکاوٹ بنا ہے۔ آئی ایم ایف نے بھی وضاحت کردی ہے کہ معاہدے پر دستخط سے قبل ایندھن سبسڈی اسکیم پر آئی ایم ایف اور حکومت پاکستان کا ایک پیج پر ہونا ضروری ہے۔ اس نے ایندھن سبسڈی اسکیم کی تفصیلات طلب کی ہیں یوں اسٹاف لیول معاہدہ تاخیر کا شکار ہوگیا ہے۔ جس کے باعث دونوں فریق اب تک میمورنڈم آف اکنامک اینڈ فنانشل پالیسیز پر اتفاق رائے میں ناکام ہیں۔ اب معاملے کے حتمی فیصلے کے لیے 10 اپریل 2023ء تک انتظار کرنا ہوگا کہ آئی ایم ایف ایگزیکٹو بورڈ کا اجلاس ہونے والا ہے۔ اگر حکومت کو قسط مل گئی تو ملک میں انتخابات بھی ہوجائیں گے۔ نہ ملی تو اکتوبر میں بھی انتخابات متوقع نہیں ہیں۔ عالمی مالیاتی فنڈ نے اگرچہ کہا ہے کہ صوبائی انتخابات کے انعقاد کے لیے آئینی حیثیت، فزیبلٹی اور وقت صرف پاکستان کے اداروں کے ماتحت ہے اور پروگرام میں ایسا کوئی تقاضا نہیں ہے جس سے انتخابی عمل میں مداخلت ہو۔ آئی ایم ایف کی طرف سے ایسا بیان اُس وقت آیا ہے جب الیکشن کمیشن نے ملک میں اقتصادی اور سیکورٹی خدشات کا حوالہ دیتے ہوئے پنجاب اسمبلی کے عام انتخابات میں پانچ ماہ تاخیر کا فیصلہ کیا ہے۔ الیکشن کمیشن میں وزارت خزانہ کے سیکریٹری نے کمیشن کو بریفنگ دی تھی کہ فنڈز کی کمی اور مالیاتی بحران کی وجہ سے ملک کو معاشی بحران کا سامنا ہے اور ملک آئی ایم ایف پروگرام کے دباؤ میں ہے جس نے مالیاتی نظم وضبط برقرار رکھنے کے اہداف مقرر کیے ہیں۔ آئی ایم ایف کے تعاون سے چلنے والے پروگرام کے تحت اہداف مجموعی طور پر عام حکومتی سطح پر مقرر کیے جاتے ہیں اور ان کے اندر اخراجات کو مختص کرنے یا دوبارہ ترجیح دینے یا اضافی محصولات بڑھانے کے لیے مالی گنجائش موجود ہوتی ہے تاکہ آئینی سرگرمیوں کی ضرورت کے مطابق انجام دہی یقینی بنائی جاسکے۔

(فرائیڈے اسپیشل، 31 مارچ تا 6 اپریل 2023، شمارہ 13)

آصف محمود

دینی مدارس کے طلبہ نسبتاً سنجیدہ کیوں ہوتے ہیں؟

اس بات پر متعدد اہل علم کا اتفاق ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ جدید تعلیمی اداروں کے طلبہ کی نسبت زیادہ سنجیدہ ہیں، ان کا علمی ذوق بہتر ہے، وہ اہم قومی امور پر غور وفکر کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں اور ان کے رویوں میں متانت اور ٹھہراؤ جدید تعلیمی اداروں کے طلبہ کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی وجوہات کیا ہیں؟

یہ بات کسی مفروضے پر مبنی نہیں بلکہ میرے مشاہدے کی ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کے رویوں میں فکری پختگی زیادہ ہے۔ برادر مکرم ڈاکٹر محمد مشتاق، برادرم ڈاکٹر حسن الامین اور جناب خورشید ندیم سمیت کئی شخصیات ایسے ہی خیالات کا اظہار کر چکی ہیں کہ ان کے مشاہدے کے مطابق روایتی دینی مدارس کے طلبہ جدید تعلیمی اداروں کے طلبہ سے کہیں زیادہ سنجیدہ علمی رجحان اور افتادِ طبع کے حامل ہیں۔ سوال وہی ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ یاد رہے کہ یہاں مثالی صورت حال اور استثناء کی بات نہیں کی جا رہی۔ یہ دستیاب رویوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

شروعات میں جب میں نے یہ فرق محسوس کیا تو اس کا اظہار کرتے ہوئے یہ احساس دامن گیر تھا کہ شاید میرے نتائج فکر ناقص ہیں۔ لیکن بعد میں اسلام آباد کی علمی محافل میں، جب متعدد جید اہل علم وفکر کے ہاں اس بات پر عمومی اتفاق پایا تو تسلی ہوئی کہ یہ میرا نقص فہم نہیں، یہ اہل علم کا اجتماعی مشاہدہ ہے۔ اس کے بعد سے یہی سوال دامن گیر ہے کہ اس کی وجوہات کیا ہیں؟

دینی مدارس میں وقت گزارنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا، وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ اور علماء سے البتہ ایک تعلق رہا۔ جدید تعلیمی اداروں سے البتہ پڑھا بھی اور ملک کی بڑی جامعات میں پڑھانے کا اتفاق بھی ہوا۔ میں شرح صدر سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ جدید تعلیمی اداروں کے نوجوان، علمی ذوق، فکری افتادِ طبع، مزاج کی سنجیدگی اور قومی امور پر سنجیدہ مباحث کے باب میں دینی مدارس کے طلبہ سے بہت پیچھے ہیں۔ یہ انیس بیس کا فرق نہیں، بیچ میں کئی خندقیں حائل ہیں۔

ایک طرف جدید تعلیمی ادارے ہیں۔ وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں اور ریاستی سرپرستی بھی وافر ہے۔ جدید اداروں کے مالی امکانات سے دینی مدارس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ بھاری بھرکم بجٹ ہیں جو ان جدید اداروں کو چلانے میں استعمال ہو رہے ہیں۔ ایکڑوں پر پھیلی اراضی ان کو سرکار نے دے رکھی ہے۔ انتہائی قابل اساتذہ انتہائی موزوں معاوضے پر یہاں پڑھا رہے ہیں۔

دوسری جانب دینی مدارس ہیں، بجٹ موجود نہیں، عمارت بھی وہ خود ہی بناتے ہیں۔ کوئی سرکاری سرپرستی نہیں۔ اساتذہ کے معاوضے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شاید ایک شیخ الحدیث کو ملنے والی ماہانہ رقم سے زیادہ ایک یونیورسٹی کے چپڑاسی کی تنخواہ ہو۔ ان اساتذہ کا نہ میڈیکل ہے نہ پنشن۔ مکمل سوتیلے ماحول میں، روکھی سوکھی کھا کر یہ بروئے کار آتے ہیں۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ ہمالیہ جیسا۔

جدید اداروں کے طلبہ سے آپ کسی بھی سنجیدہ قومی معاملے پر بات کر کے دیکھ لیں، چند چیزیں نمایاں ہوں گی؛ اس کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہوں گی۔ وہ تاریخ سے لاعلم ہوگا۔ عصری سیاسی اور سماجی معاملات پر اسے بات کرنا پڑ جائے تو دو چار فقرے کہہ کر ہانپ جائے گا۔ نہ علم ہے، نہ طرز گفتگو کی خبر ہے۔ نہ بات کرنے کا سلیقہ ہے، نہ مزاج میں ٹھہراؤ ہے، نہ مطالعہ ہے، نہ کوئی ندرت خیال ہے۔ یہ قومی مسائل سے لاتعلق ایک ایسا وجود ہے جو پوری غیر سنجیدگی اور کھلنڈرے پن کے ساتھ کامل مادی جستجو میں ڈگری کے تعاقب میں بھٹک رہا ہے۔

کسی نے اس کے مزاج، افتاد اور اخلاقی پہلو کی تہذیب نہیں کی۔ اس کا عصری شعور دو چار فقروں پر مبنی چند اقوال زریں تک محدود ہے۔ اس کی اکثر معلومات واجبی، ناقص اور ادھوری ہیں۔ اس کی دنیا میں علم و فکر کا کوئی دخل نہیں۔ اس کا مزاج ایسا ہے یہ کسی مسئلے پر دو منٹ سے زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ بات تو کیا اس دورانیے سے زیادہ یہ کسی معاملے پر سنجیدگی سے سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ پھٹ پڑے گا یا لڑ پڑے گا۔

اس کے برعکس دینی مدارس کے طلبہ قومی امور کے بارے میں زیادہ غور و فکر کرتے پائے جاتے ہیں وہ عصری سیاسی اور سماجی شعور میں زیادہ پختہ ہیں۔ وہ اپنی تہذیبی اور مذہبی روایات سے زیادہ آگہی رکھتے ہیں۔ ان میں تحمل کے ساتھ بات کرنے کا سلیقہ زیادہ ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے جو ریاست اور اس کے وسائل کی سرپرستی میں آگے آ رہا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اس سے محروم ہے۔ لیکن افتادِ طبع میں اتنا فرق ہے کہ آدمی حیران ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے اس سوال پر بہت غور کیا ہے اور میرے خیال میں اس کی وجہ کتاب ہے۔ دینی مدارس کتاب سے جڑے ہیں۔ مطالعے کا ذوق آپ میں ٹھہراؤ پیدا کرتا ہے۔ کتاب پڑھنے کے لیے ایک ٹمپرامنٹ درکار ہوتا ہے جو مدارس میں پروان چڑھ جاتا ہے۔ کتاب آپ اٹھاتے ہیں اور پھر پڑھنا شروع کرتے ہیں اور یہ مطالعہ کئی گھنٹوں اور بعض اوقات کئی دنوں تک محیط ہوتا ہے۔ اس دوران آپ پڑھ بھی رہے ہوتے ہیں اور آپ کے لاشعور میں ایک فکری مشق بھی جاری ہوتی ہے۔ آپ سوچتے ہیں سوالات اٹھتے ہیں اور اس سے ایک مزاج پروان چڑھتا ہے۔

دوسری جانب جدید تعلیمی ادارے ہیں۔ یہاں تک کا عمل دخل کم ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں ٹک ٹاک ہے، یہاں

یوٹیوب ہے، یہاں ٹوئٹر ہے، یہاں جدید ذرائع ابلاغ ہیں، لیکن یہاں کتاب نہیں ہے۔ نصاب کی کتاب بھی کم ہی پڑھی جاتی ہے، نوٹس سے کام چلایا جاتا ہے۔ تہذیبی، مذہبی اور عصری بیانیے کا، الا ماشاء اللہ، کسی کو علم نہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ ایک عام نوجوان، ایک ہی لمحے میں جست لگا کر نتیجہ نکالنا چاہتا ہے۔ وہ ٹھہراؤ اور غور وفکر کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک فکری ہیجان کا شکار ہے۔ وہ مطالعے سے دور ہو چکا ہے۔ کتاب تو کیا اس کے لیے ایک مقالہ یا چند صفحات پڑھنا بھی مشکل ہو چکا ہے۔ وہ مختصر سی پوسٹ سے آگے نہیں سوچ سکتا۔ سنجیدہ بات ہو تو وہ ہانپ جاتا ہے۔ یہ کتاب ہے جو علمی رویے کو جنم دیتی ہے اور مزاج میں ٹھہراؤ اور سلیقہ پیدا کرتی ہے۔ ٹک ٹاک اور دیگر تمام ذرائع اس ٹھہراؤ کے قائل نہیں۔ چنانچہ عام نوجوان کے ارتکاز کا دورانیہ ایک منٹ ہے۔ اس کے بعد وہ ڈی فوکس ہو جاتا ہے۔

سوشل میڈیا کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن سماج کے مزاج کی تہذیب ہوگی تو صرف کتاب سے ہوگی اور تحریر سے ہوگی۔ ٹک ٹاک یا یوٹیوب سے نہیں ہوگی۔

دینی مدارس کے طلبہ کی عمومی قوت ارتکاز پر لکھے گئے (مندرجہ بالا) کالم پر غیر معمولی ردعمل آیا۔ اتفاق کرنے والے بھی بہت تھے اور اختلاف کرنے والے بھی کم نہ تھے۔ مناسب ہوگا احباب کی خدمت میں چند مزید گزارشات پیش کی جائیں تاکہ ان تمام سوالات کا جواب دے دیا جائے جو اس کالم کے بعد اٹھائے گئے۔

کچھ دوستوں نے اس بات سے اختلاف کیا کہ مدارس کے طلبہ کا کتاب سے زیادہ تعلق ہے اور اس مطالعے کی وجہ سے ان میں ارتکاز کی قوت زیادہ ہے۔ اس کا جواب تو بہت سادہ ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ تحریر میرے حلقہ احباب کے مشاہدے کی بنیاد پر لکھی گئی تھی۔ کسی کے مشاہدے سے اتفاق کرنا لازمی نہیں ہوتا۔ کسی اور کا مشاہدہ اگر اس سے مختلف ہے تو اسے اپنی بات کہنے کا حق ہے، بالکل ایسے ہی جیسے میں نے اپنا مشاہدہ آپ کے سامنے رکھ دیا۔ کسی کی رائے آفاقی صداقت نہیں ہوتی۔ مختلف آراء مل کر ایک عمومی تاثر کو جنم دیتی ہیں۔ جو میری رائے تھی وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دی۔ اس میں غلطی اور صحت ہر دو کا امکان موجود ہے۔

کچھ دوستوں نے پوچھا کہ کیا میں اپنے بچوں کو مدرسے میں بھیجنا پسند کروں گا؟ اس کا جواب بھی بہت سادہ ہے: نہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اب میں مدرسہ کے نظام میں کسی خوبی کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دوں؟ میں تو اپنے بچوں کو سرکاری سکولوں اور کالجز میں بھیجنا بھی پسند نہ کروں؟ تو کیا ان سرکاری اداروں کی بھی اب مکمل نفی کر دی جائے؟

یہ رائے مدرسے کے طلبہ کی ایک خوبی سے متعلق تھی۔ اس میں جدید تعلیمی اداروں کی نفی نہ کی گئی تھی نہ مقصود

تھی۔ جدید تعلیمی اداروں کی افادیت سے انکار کوئی کیسے کرسکتا ہے؟ لیکن اگر مدارس کے نظام میں ایک خوبی سامنے آرہی ہے تو اس کا انکار کیسے کیا جائے اور کیوں کیا جائے؟

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر مدارس کے طلبہ میں ارتکاز اور سنجیدگی زیادہ ہے تو یہ ہمیں جمعہ کے خطبات میں کیوں نظر نہیں آتی؟ یہ اہم سوال ہے اور اہل مدرسہ کو اس کا جواب دینا چاہیے اور اس عمومی تاثر کو سنجیدگی سے سمجھنا چاہیے۔ لیکن میرا سوال ایک اور ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بحران صرف اہل مدرسہ کے خطبوں میں ہے یا آکسفورڈ سے تعلیم یافتہ سیاسی قیادت کے خطبات بھی اسی بحران سے دوچار ہیں؟ اگر بحران ہر دو کے دامن سے لپٹا ہے تو اس کی وجوہات یقیناً کچھ اور ہوں گی، انہیں تلاش کرنا چاہیے۔

ایک صاحب نے افغان جہاد اور اس کے بعد کی صورت حال کے تناظر میں مدارس کے کردار پر سوال اٹھایا۔ اس سوال کے بہت سے جواب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ غلط مبحث تھا۔ کالم میں طلبہ کے فکری رجحان کی بات کی گئی تھی ان کی عسکری تاریخ بیان نہیں کی گئی تھی۔ کیا اس ایک خوبی کے اعتراف کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ہر بات کو درست سمجھ لیا جائے۔ اور کیا ان کی کسی ایک خامی کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کسی خیر کے کسی امکان کو ہی تسلیم نہ کیا جائے؟ خلط مبحث سے بچنا چاہیے لیکن سوال کرنے والوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ افغان جہاد اور اس کے بعد کے معاملات میں کیا سارا کام مدارس ہی کا تھا یا قومی اور بین الاقوامی سطح پر بھی کچھ فیصلے ہوئے تھے؟ ویسے بھی اعداد و شمار کے مطابق القاعدہ سے جدید تعلیمی اداروں کے نوجوان زیادہ منسلک تھے بہ نسبت مدارس کے۔

مدارس کی ڈگریوں کی عملی زندگی میں مادی افادیت نہ ہونے کا سوال بھی اٹھایا گیا۔ اس کا جواب وہی ہے کہ کالم میں کہاں کہا گیا اس کی مادی افادیت بہت زیادہ ہے؟ یعنی یہ سوال بھی خلط مبحث ہے۔ کالم میں صرف یہ بات کی گئی تھی وہاں کے طلبہ کا کتاب سے تعلق زیادہ ہے اور وہ فوکسڈ ہیں۔ اس سے زیادہ جب کہا نہیں گیا تو سمجھ کیسے گیا؟ کیا یہ رویہ بھی انتہا پسندی کہا جا سکتا ہے؟

مدارس میں اصلاحات کی سب سے زیادہ ضرورت ہی یہی ہے کہ وہ ایسی ڈگریاں بھی دیں جو عملی زندگی میں کام آئیں۔ لیکن یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اور ویسے بھی مدارس کی ڈگریوں کی عملی افادیت ہی سوال نہیں، سوال تو ایف اے، بی اے اور ایم اے جیسی ڈگریوں کی افادیت پر بھی اٹھ رہے ہیں۔ یہ جو لشکر ایف اے، بی اے ایم اے کر کے سامنے آرہے ہیں ان کی عملی زندگی میں کیا افادیت ہے؟ غیر پیشہ ورانہ ڈگریاں کاغذات کے انبار کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی اگر اس پہلو پر بھی بات کی جائے تو پھر اصول کا اطلاق سب پر ایک جیسا ہو۔

میں نے صرف اتنی ہی بات لکھی تھی کہ مدارس کے نوجوان زیادہ سنجیدہ کیوں ہیں اور جواب یہ تھا کہ شاید کتاب

سے جڑے ہونے کی وجہ سے۔ یعنی بنیادی موضوع کتاب سے لگاؤ تھا اور ایک مشاہدے کو بطور دلیل پیش کیا۔ اس بنیادی تھیسز کو جدید ذہن نے بالکل نظر انداز کیا اور ایک نسبتاً غیر اہم نکتے سے اپنے مفروضے نکال کر سوالات کھڑے کر دیے۔

ہم سب کو یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سماج میں تنوع نظام فطرت ہے۔ خامی بھی ہر جگہ ہو سکتی ہے اور خوبی بھی۔ ہمیں اگر کسی سے اختلاف ہے تو کیا اب یہ لازم ہے کہ اس میں کسی خوبی کے امکان کو بھی تسلیم نہ کیا جائے؟ اور کیا کسی ایک کی کسی ایک خوبی کو تسلیم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ہر شے کو خوبی قرار دے دیا جائے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ لیکن ہمارے مزاج کی عمومی انتہا پسندی کوئے یار اور سوئے دار کے بیچ کسی مقام کی قائل نہیں۔

بلاشبہ جدید تعلیم وقت کی ضرورت ہے۔ مسلم معاشروں کا سب سے بڑا بحران ہی یہی ہے کہ وہ علم و تحقیق کی دنیا میں پیچھے رہ گئے۔ وہ وقت کہ مسلم دنیا میں قابل اور بڑے بڑے سائنسدان پیدا ہوتے تھے اور کہاں یہ وقت کہ فکری افلاس نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ جدید تعلیم کے بغیر ترقی تو دور کی بات بقاء بھی ممکن نہیں۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ روایتی اداروں کے طلبہ کے ہاں کوئی اچھی چیز محسوس کی جائے تو اس کا انکار ہی کر دیا جائے۔

چیزوں کی ترتیب درست رہنی چاہیے۔ اختلاف اچھی چیز ہے مگر اختلاف متن پر ہونا چاہیے، مفروضے پر نہیں۔ یہ سارے سوالات اصل میں میرے اس نکتے کی تائید کرتے ہیں۔ جو گزشتہ کالم میں بیان کیا گیا۔ بس اس میں خلط مبحث کا اضافہ کر لیجیے۔

ایک اہم نکتہ بیرسٹر عمر گیلانی اور محترمہ تزئین حسن صاحبہ نے یہ اٹھایا کہ (اگر مدارس کے طلبہ کی قوت ارتکاز والی بات درست ہے تو) کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ انہیں اپنی زبان اردو میں تعلیم دی جاتی ہے؟ اس میں کیا شک ہے کہ یہ انتہائی اہم سوال ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ۹۲ نیوز)

ڈاکٹر تاثیر

نعت

یہی تھا مدّعا تکمیلِ دیں ختم رسالت کا
کہ اب آغاز ہے نشو ونمائے آدمیّت کا

یہ شرکت تھی محبت کی، یہ ساجھا تھا معیشت کا
نمازوں کی صفوں میں رہ گیا چرچا اخوّت کا

شبِ معراج پردہ اٹھ گیا روئے حقیقت کا
رہا باقی نہ کوئی تفرقہ غیب وشہادت کا

وہ جو چاہیں وہ جوکردیں،وہی کچھ عین قدرت ہے
نہ میں قائل خوراق کا نہ میں قائل کرامت کا

چلا ہے کاروان شوق، آپہنچا وہ آپہنچا
وہ ہر یالا افق وہ گنبدِ خضرا ہے حضرت کا

سنبھل اے چشم تر، اے آہ مہلت دے کہ کچھ کہہ لیں
بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے موقع آج خلوت کا

تجھے دارو رسن رنج ومحن ، کچھ بھی نہیں حاصل
تو پھر تاثیر کس برتے یہ دعویٰ ہے محبت کا

آغا شورش کاشمیری رحمہ اللہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں

ہم پہ ہو تیری رحمت جم جم صلی اللہ علیک وسلم
تیرے ثنا خواں عالم عالم صلی اللہ علیک وسلم

ہم ہیں تیرے نام کے لیوا اے دھرتی کے پانی دیوا
یہ دھرتی ہے برہم برہم صلی اللہ علیک وسلم

تیری رسالت عالم عالم تیری نبوت خاتم خاتم
تیری جلالت پرچم پرچم صلی اللہ علیک وسلم

دیکھ تری امت کی نبضیں ڈوب چکی ہیں ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے مدھم مدھم صلی اللہ علیک وسلم

دیکھ صدف سے موتی ٹپکے دیکھ حیا کے ساغر چھلکے
سب کی آنکھیں پرنم پرنم صلی اللہ علیک وسلم

قریہ قریہ بستی بستی دیکھ مجھے میں دیکھ رہا ہوں
نوحہ نوحہ ماتم ماتم صلی اللہ علیک وسلم

اے آقا اے سب کے آقا ارض و سما ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پہ مرہم مرہم صلی اللہ علیک وسلم

عاجز کمال رانا

نذرِ بنتِ رسول ﷺ

رسولِ انور، تری رقیہ، تری رقیہ
نبی ہے شانِ بنو امیہ، تری رقیہ

ہزار قربان تجھ سے اے فاطمہ کے بابا
ہماری عزت، ہماری میّا، تری رقیہ

وہ کوئی دشمن کی بیٹیوں سے روا نہ رکھے
جو سہہ رہی ہے عجب رویہ تری رقیہ

سَرَسوَتی، سیتا، حوا، مریم پڑے ہیں در پر
پوِتر ناری، سَجِل کنہیا، تری رقیہ

کوئی بھنور بھی نہ دیکھ پائے گا میری جانب
لگائے گی پار میری نیّا، تری رقیہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆......☆......☆

حبیب الرحمٰن بٹالوی

ماں

میرے سب کام میری ماں کی دعاؤں سے ہوئے
ورنہ دوزخ نہ کبھی سرد، ہواؤں سے ہوئے!

ماں! تُو میرا دل ہے، میری روح ہے.....تُو سرچشمۂ رحمت ہے.....تُو ایک آفاقی علامت ہے جس میں الوہیت کی جھلک نظر آتی ہے.....تو وہ ہستی ہے جس کے خلاف کچھ کہنا گناہ ہے.....کوئی بھی انسانی رشتہ تیرے رشتے کی ہمسری نہیں کرسکتا..... میں تیری محبت وشفقت اور مامتا کو کسی بھی تشبیہ، استعارے یا تمثیل سے واضح نہیں کرسکتا.....لفظ وبیاں کی تمام رمزیں، لطافتیں اور بلاغتیں، تیری شفقت کی رفعت ووسعت پر قربان.....!

ماں! تُو نے میرا مستقبل سنوارنے میں ہمیشہ میری مدد کی.....تو نے مجھے ہمت اور حوصلے سے زندگی کرنے کی جرأت دی.....میرے وجود کو ظہور دیا.....مجھے زندگی کا شعور دیا.....تُو نے اپنے آنچل سے میرے اشک پونچھ کر مجھے مسکرانا سکھایا.....اگر کبھی میں گر پڑتا تو تو بے تحاشا دوڑ کر مجھے اٹھاتی میری چوٹ کو چومتی.....تو پل بھر میں میرے وجود کے سارے دکھ چن لیتی تھی..... مجھے یاد ہے میں جب بھی بیمار پڑتا تو تیری مامتا بے چین و بے قرار ہوجاتی اور اگر کبھی میری حالت زیادہ خراب ہوجاتی تو تو رونے لگتی.....تیری آنکھوں سے تھرتھراتے ہوئے آنسو اور دعا کے لیے لرزتے ہوئے ہونٹ آج بھی میرے سامنے ہیں.....وہ آنسوؤں کا قافلہ.....اشکوں میں بھیگی مامتا، اب بھی مجھے یاد ہے.....!

ماں! میرے خون کے ہر قطرے پر تیرا نام ہے جو اسے منجمد نہیں ہونے دیتا کہ تیری دعائیں آج بھی میرے سر پر سایہ فگن ہیں.....میرے ذہن کی تختی پر تیرا نام کندہ ہے.....ماں! میرے دل کے فرش پر تیری یادیں اب بھی ٹہلتی رہتی ہیں، اور میں جب بھی اپنے دل کے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں اور دیکھتا ہوں تو اُس میں جو تصویر سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ تیری ہی ہے.....!

ماں کے قدموں میں سکوں آج بھی ملتا ہے مجھے
ماں کی تربت سے دعاؤں کی صدا آتی ہے!

مولانا محمد نجیب سنبھلی قاسمی

ماہِ شوال کے 6 روزے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ رَبِّ الْعَالَمِیْن،وَالصَّلاۃ وَالسَّلام عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیم وَعَلیٰ آلہ وَاَصْحَابہ اَجْمَعِیْن.

شوال کے 6 روزے واجب یا سنت؟

قرآن وسنت میں شوال کے 6 روزوں کے واجب ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اس وجہ سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ شوال کے یہ 6 روزے فرض یا واجب نہیں ہیں بلکہ سنت ہیں۔ شوال کے ان 6 روزوں کے سنت ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے، صرف امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا امام مالکؒ میں (رمضان کے فوراً بعد یعنی عید الفطر کے دوسرے دن سے) ان 6 روزوں کے اہتمام کو مکروہ تحریر کیا ہے۔ بعض حضرات نے عید الفطر کے فوراً بعد ان 6 روزوں کو رکھ کر ساتویں شوال کی شام کو ایک تقریب کی صورت بنانی شروع کر دی تھی، ممکن ہے کہ اسی وجہ سے امام مالکؒ نے عید الفطر کے دوسرے دن سے اہتمام کے ساتھ ان 6 روزے رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہو تاکہ رمضان اور غیر رمضان کے روزوں میں فرق کیا جا سکے۔ جیسا کہ امام قرطبیؒ نے تحریر کیا ہے کہ خراسان کے بعض حضرات نے رمضان کی طرح عید الفطر کے ان 6 روزوں کا اہتمام کیا۔ جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ شوال کے 6 روزے سنت ہیں اور عید الفطر کے دوسرے دن سے ان روزوں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

شوال کے 6 روزے رکھنے کی فضیلت:

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اُس کے بعد 6 دن شوال کے روزے رکھے تو وہ ایسا ہے گویا اُس نے سال بھر روزے رکھے۔ (صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

اس مذکورہ حدیث کی اصل روایت میں "دہر" کا لفظ آیا ہے جس کے اصل لغوی معنی زمانے کے ہیں لیکن دیگر احادیث کی روشنی میں یہاں سال مراد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بشارت دی ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے 6 روزے رکھنے والا اس قدر اجر وثواب کا حقدار ہوتا ہے کہ گویا اس نے پورے سال روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون کے مطابق ایک نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ملتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ (سورۃ الانعام ۱۶۰) تو اس طرح جب کوئی ماہ رمضان کے روزے رکھے گا تو دس مہینوں کے روزوں کا ثواب ملے گا اور جب شوال کے چھ روزے رکھے گا تو ۶۰ دنوں کے روزوں کا ثواب ملے گا تو اس طرح مل کر بارہ مہینوں یعنی ایک سال کے برابر ثواب ہو جائے گا۔ مذکورہ فضیلت کے علاوہ علماء کرام نے تحریر کیا ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں میں جو کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں، شوال کے ان 6 روزوں سے اللہ تعالیٰ اس کوتاہی اور کمی کو دور فرما دیتے ہیں۔ اس طرح ان 6 روزوں کی رمضان کے فرض روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو سنن ونوافل کی فرض نمازوں کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ سنن ونوافل کے ذریعہ فرض نمازوں کی کوتاہیوں کو

پورا فرما دیتا ہے جیسا کہ واضح طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

شوال کے 6 روزے مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہیں:

احادیث میں 6 روزے مسلسل رکھنے کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا یہ 6 روزے ماہِ شوال میں عید الفطر کے بعد لگاتار بھی رکھے جاسکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کر کے بھی۔ علماء احناف اور سعودی عرب کے کبار علماء کی کونسل نے یہی فتوی دیا ہے کہ رمضان کے فوراً بعد یا لگا تار رکھنا کوئی شرط نہیں ہے، ماہ شوال میں کبھی بھی مسلسل یا بیچ میں ناغہ کر کے 6 روزے رکھنے سے یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ (اللجنه العلميه للبحوث العلميه و الافتاء ۱۰/۱۹۳)

شوال کے 6 روزے کی فضیلت کے ایک جزئیہ پر معمولی اختلاف:

رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے 6 روزے رکھنے سے پورے سال فرض روزے یا نفل روزے رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، اس میں علماء کی رائے مختلف ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے کہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے 6 روزے رکھنے سے پورے سال فرض روزے رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، البتہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ پورے سال نفل روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔ دونوں رائے میں سے کوئی بھی رائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام کے واضح اقوال سے مدلل نہیں ہے، بس احادیث کے مفاہیم سے اپنے اپنے اقوال کو مزین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رمضان کے بعد شوال کے 6 روزے رکھنے سے پورے سال روزے رکھنے کی فضیلت کا حاصل ہونا تو یقینی ہے مگر سال بھر کے فرض یا نفل روزے، اس میں اختلاف ہے۔

رمضان کے فوت شدہ روزوں اور شوال کے 6 روزوں میں سے کون سے پہلے رکھے جائیں:

اگر کسی شخص کے رمضان کے روزے کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئے تو تحقیقی بات یہ ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے اگر کوئی شخص ان 6 روزوں کو رکھنا چاہے تو جائز ہے کیونکہ رمضان کے روزوں کی قضا فوری طور پر واجب نہیں ہے بلکہ کسی بھی ماہ میں رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں حتیٰ کہ ازواج مطہرات اپنے رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا عموماً ۱۱ ماہ بعد ماہ شعبان میں کیا کرتی تھیں جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ اگر چہ امام احمد بن حنبلؒ نے رمضان کے روزوں کی قضا سے قبل 6 روزوں کی ادائیگی کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اب ایک اور اختلافی مسئلہ ہے کہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا سے قبل شوال کے 6 روزے رکھنے سے پورے سال روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوجائے گی یا نہیں۔ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی سے یہی امید ہے کہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا سے قبل بھی شوال کے 6 روزے رکھنے کی فضیلت حاصل ہوجائے گی، انشاء اللہ۔

نوٹ: اگر کسی شخص نے ان 6 روزوں کو رکھنا شروع کیا، لیکن کسی وجہ سے ایک یا دو روزہ رکھنے کے بعد دیگر روزے نہیں رکھ سکا تو اس پر باقی روزوں کی قضا ضروری نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہر سال ان روزوں کے رکھنے کا اہتمام کرتا ہے مگر کسی سال نہ رکھ سکے تو وہ گناہگار نہیں ہے اور نہ ہی اس پر ان روزوں کی قضا واجب ہے۔

ادارہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان

امام العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ادارتی مضامین کے مجموعے "بصائر وعبر" کے حاشیے میں شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

صحابہؓ کیسے ہی ہوں، مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے، تم ہوا پر اُڑ لو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابیؓ تو نہیں بنا جا سکے گا، تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوتؐ سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ مسیحائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوارِ مقدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مس ہوئے اور ساری عمر اُن کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ محمدیؐ میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر دیتے جاتے اور تشنہ " کامان محبت" "ھل من مزید" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو "**کأنی أری اللّٰہ عیاناً**" کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں "**کأنما علی رؤسنا الطیر**" کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشینِ تختِ رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف "**ھذا الأبیض المتکی**" سے اشارے کئے جاتے تھے؟ تم وہ شمیمِ عنبر کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خوابِ نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانۂ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کیے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینۂ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو "صبغۃ اللہ" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امامؐ نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟

تم میرے صحابہؓ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید وملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت وغضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہؓ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سرِ محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف وحیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو بھری دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ میرے صحابہؓ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہیے؟

(بصائر وعبر جلد 1 صفحہ 157)

علامہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

یہودی علماء میں سے اور اپنے زمانے میں تورات، انجیل کے شاید سب سے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے پہلی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی علامات پڑھ رکھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک روز خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اول تو رخ انور پر نظر پڑتے ہی فطرت سلیمہ نے شہادت دی اور وہ کہہ اٹھے۔ **لیس بوجہ کذاب** یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں۔

مزید اطمینان قلب کے لیے تین سوالات کیے۔ جواب باصواب پا کر کلمہ شہادت پڑھ لیا اسلام قبول کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہودیوں میں سب سے بڑا عالم ہوں، میرا والد بھی عالم تھا، علاوہ ازاں میں قوم کا سردار ہوں اور سردار کا بیٹا ہوں لیکن یہ یہودی بڑے بے ایمان اور دروغ گو ہیں۔ آپؐ انہیں بلوایئے میرے متعلق انہیں معلوم نہ ہو کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ آپؐ ان سے میرے متعلق دریافت کیجئے حضورؐ نے انہیں بلوایا اور پہلے تو انہیں اسلام کی تبلیغ فرمائی آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ میں رسول برحق ہوں اور تمہارے سامنے حق پیش کر رہا ہوں، تم اسلام لے آؤ انہوں نے کہا ہم تو نہیں جانتے آپؐ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ تم میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟ کہا وہ ہمارے سردار ہیں اور سردار کے بیٹے ہیں ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور عالم کے بیٹے ہیں فرمایا اگر وہ اسلام لے آئیں تو پھر؟ کہا حاشا للہ ایسا ناممکن ہے وہ کبھی بھی اسلام قبول نہیں کر سکتے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ قریب ہی کہیں چھپے ہوئے تھے، آپ نے انہیں آواز دی تو وہ کلمہ پڑھتے ہوئے سامنے آ گئے اب وہ ان کی مذمت کرنے لگے کہا **انت شرنا و ابن شرنا** تم ہم میں سے بدترین آدمی ہو اور بدترین آدمی کے بیٹے ہو (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ تورات اور انجیل کے تو عالم تھے ہی۔ اب قرآن وحدیث کے علم سے بھی بہرہ ور ہو گئے بہت سے اہم مسائل میں حضرات صحابہؓ ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ بلند پایہ عالم تھے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ علم حاصل کرنے کے لیے چار آدمیوں کے پاس جایا کرنا جن میں سے ایک نام حضرت عبداللہ بن سلام کا لیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انہ عاشر عشرۃ فی الجنۃ** (ترمذی) کہ وہ بہشت میں داخل ہونے والے دسویں (۱۰) آدمی ہوں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خود عشرہ مبشرہ میں سے اور جلیل القدر صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ اور کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے(۲)۔(بخاری ص ۵۳۸ ص ۱)

حواشی

(۱) یہاں شاید کسی طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ حدیث عشرہ مبشرہ میں تو دسواں نمبر کسی اور صحابی کا ہے اور یہاں دسواں نمبر عبداللہ بن سلام کا بتایا گیا ہے۔ جبکہ دونوں روایتیں ترمذی شریف کی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث عشرہؓ میں نمبر تو نہیں بتائے گئے۔ صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ یہ دس حضرات بہشت میں جائیں گے، کون کس نمبر پر جائے گا۔ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یوں تو دس کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کے بارے میں پیشین گوئیاں فرمائی گئیں ہیں۔ رہا عبداللہ بن سلامؓ کا معاملہ تو ان کا نمبر بتا دیا گیا ہے کہ وہ اس امت میں سے دسویں نمبر پر داخل جنت ہوں گے۔ فلا تعارض اصلا

(۲) یہاں بھی طالب علموں کو مغالطہ لگ سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ تو عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ اور کسی کے جنتی ہونے کی بشارت کی نفی کر رہے ہیں۔ اس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

اول یہ کہ حضرت سعدؓ نے اپنے سننے کی نفی کی ہے۔ بشارت کی نہیں وہ فرماتے ہیں، میں نے اور کسی کے بارے میں نہیں سنا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اور بھی کسی نے کوئی دوسری بشارت نہیں سنی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں خوشخبری دی گئی تھی، اس وقت تک اور کسی کے بارے میں نہ دی گئی ہو۔

Saleem&Company
Bahar Chowk, Masoom Shah Road, Multan.
SINCE 1968
Manufacture of Quality
Furniture, Government
Contractors, Electronics
& General Order Suppliers
سلیم اینڈ کمپنی
0302-8630028
061 -4552446 فون نمبر: بہار چوک معصوم شاہ روڈ ملتان
Email:saleemco1@gmail,com

منظور احمد آفاقی قسط نمبر (1)

قرآن فہمی

نزول قرآن سے پہلے حجاز مقدس بالخصوص اور پوری دنیا بالعموم بدامنی کا شکار تھی، اگرچہ عجمی ملکوں میں حکومتیں قائم تھیں اور انھوں نے کچھ نہ کچھ تدارک کر رکھا تھا، لیکن حجاز کا علاقہ شخصی حکومت سے بھی محروم تھا۔ لوگ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون رائج تھا۔ طاقتور افراد نے کم زور لوگوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ بات بات پر تلوار نکل آتی اور خون کی ندیاں بہاتی چلی جاتی تھی۔

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
یوں ہی ہوتی رہتی تھی تکرار ان میں یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

اس سخت افراتفری کے ماحول میں سرکارِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے۔ آپ پر قرآن حکیم نازل ہوا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی ہدایات کے مطابق بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی۔ بت پرستی کا خاتمہ کر کے توحید کا پرچار کیا۔ قتل وغارت گری مٹا کر انسانی جانوں کو تحفظ فراہم کیا۔ ظلم وستم کا مقابلہ عدل وانصاف کے قانون کے ساتھ کیا۔ زور آور طبقے سے حقوق چھین کر کم زور طبقے کو عطا کیے۔ سیم وزر کے بہاؤ کا رخ مال داروں سے نادار لوگوں کی طرف موڑا، خود پیٹ پر پتھر باندھے لیکن کسی کو بھوکا نہ رکھا۔ خود تکلیف اٹھائی لیکن دوسروں کی تکلیف نہ دیکھ سکے۔ انھوں نے مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو تعلیم دی۔ ایک اَن پڑھ (اُمّی) قوم کو زیورِ علم سے آراستہ کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مسجد عبادت گاہ ہی نہیں تھی بلکہ درس گاہ بھی تھی۔ اس دانش گاہ کے تعلیم یافتہ لوگ حجاز مقدس سے باہر نکلے تو وقت کی دو بڑی طاقتوں سے ٹکرا گئے۔ مظلوم عوام کو ظالموں کے پنجے سے نجات دلائی۔ مفتوحہ علاقوں کا نظم ونسق سنبھالا، وہاں ایک پرامن فضا قائم کی، عدل وانصاف کو فروغ دیا، درس گاہیں کھولیں، جہالت کی تاریکیاں مٹا کر علم کا اُجالا پھیلایا۔ اُن کی ان فلاحی کوششوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اُن کے خلوص کو دیکھ کر غیر مسلم جوق در جوق حلقۂ بگوشِ اسلام ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے وادی سندھ سے اسپین تک ایک فلاحی ریاست قائم ہوگئی۔

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

ظالم بادشاہ چلتے بنے، ان کی جگہ عوام دوست، مخلص اور ہمدرد حاکم آ گئے جو بظاہر حکمران تھے لیکن حقیقتاً رعایا کے خادم تھے۔ خون کی ندیاں بہانے والے انسانی جانوں کے محافظ بن گئے۔ چور، ڈاکو، رہزن، لٹیرے سبھی نیک وپارسا بن گئے۔ جاہل اجڈ اور وحشی قومیں علم حاصل کر کے مہذب اور شائستہ بن گئیں۔ اسلامی درس گاہوں سے علوم وفنون کے چشمے ابلنے لگے، تحقیق کی راہیں کھلنے لگیں۔ یورپ کے ظلمت کدے روشن ہوگئے۔ مسلمانوں کی ان علمی کاوشوں کے آگے روم اور یونان کی دانش بھی سجدہ ریز ہوگئی۔ غرض سیاست، تعلیم، قانون، عسکریت، تجارت، صنعت وحرفت، زراعت وغیرہ

شعبہ ہائے زندگی میں ایک انقلاب آ گیا اور لوگ صدیوں تک اس بابرکت نظام سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

کیا صحابہ کرام کے ہاتھ میں کوئی جادو کی چھڑی تھی جسے گھماتے ہی انقلاب برپا ہو جاتا تھا؟ یا اُن کے پاس الٰہ دین کا کوئی چراغ تھا جسے رگڑتے ہی کایا پلٹ ہو جاتی تھی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آیئے سوچیں کہ ان عظیم ہستیوں کے پاس کون سی طاقت تھی؟ کیا وجہ تھی کہ وہ جہاں بھی گئے کامیابی و کامرانی نے ان کے قدم چومے؟ اُن کے پاس کون سا جوہر تھا جس سے متاثر ہو کر لوگوں نے اپنے آبائی مذاہب تک چھوڑ دیئے؟ وہ کون سی خوبی تھی جس پر فریفتہ ہو کر قومیں کشاں کشاں دائرہ اسلام میں قدم رکھنے لگیں؟ ان سب سوالوں کا مختصر سا جواب ہے، قرآن حکیم۔

دور غلامی میں ہمیں یہ سبق پڑھایا گیا تھا کہ قرآن حکیم بھی دوسرے مذاہب کی مقدس کتابوں کی طرح ایک مقدس کتاب ہے اُسے برکت حاصل کرنے کے لیے ثواب کی نیت سے پڑھا جائے تو درست ہے اس سے زیادہ اس کا انسانی زندگی اور معاشرت کے ساتھ (خاکم بدہن) کوئی تعلق نہیں ہے۔ غلاموں نے یہ سبق اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور آزادی کے بعد بھی اسے ابھی تک یاد رکھے ہوئے ہیں۔ اس ذہنی غلامی سے چھٹکارا حاصل کیجئے۔ اسلام کی گزشتہ چودہ سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالیے اور ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ قرآن حکیم نے جس تہذیب کی تعلیم دی ہے کیا وہ دنیا بھر کی تہذیبوں سے بہتر نہیں ہے؟ کیا قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے اسی بہتر اور عمدہ تہذیب کو اپنا کر دنیا پر حکمرانی نہیں کی؟ قرآن کی اس تہذیب کے سامنے کون سی تہذیب ٹھہر سکی ہے؟

آپ جب غلام کی فضا سے نکل کر آزاد ماحول میں آزاد ذہن سے سوچیں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ قرآن حکیم کا انسان کی عملی زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ آپ اعتراف کریں گے کہ قرآن حکیم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ دنیاوی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اس میں جہاں عقائد اور عبادات کا سبق ملتا ہے وہاں دنیاں دنیاوی معاملات (معیشت، قانون، سیاست وغیرہ) کا درس بھی نہایت خوبی سے دیا گیا ہے۔ اس کی تعلیمات دوسرے مذاہب کی افراط وتفریط کے برعکس اعتدال پر مبنی ہیں، جن پر ہر دور میں آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی شاعرانہ تخیلات اور قیاس آرائیاں نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں۔ خوش قسمت انسانوں نے ان تعلیمات پر عمل کر کے ہمارے لیے بہترین نمونے قائم کیے ہیں، لیکن ہم ہیں کہ فرنگی تہذیب وتعلیم کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور اپنی روشن تاریخ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم — جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا — کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

فرعون نے بھی بنی اسرائیل کو غلام بنایا تھا، حتیٰ کہ ان میں خوئے غلامی اس قدر پختہ ہو گئی تھی کہ آزادی کے بعد جب انھیں اپنے آبائی علاقے (فلسطین) میں آباد قوم (عمالقہ) سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ نتیجہ لاکھوں پر مشتمل یہ ذہنی طور پر غلام قوم چالیس سال تک مسلسل جزیرہ نمائے سینا میں بھٹکتی اور دھکے کھاتی رہی۔ اس عرصے میں بوڑھے لوگ مر کھپ گئے۔ نئی نسل جوان ہو گئی، جنھوں نے غلامی کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ ان

آزاد مشن انسانوں نے دعوت جہاد پر لبیک کہی، دشمن کے خلاف صف آراء ہوئے، جہاد کیا اور اپنا آبائی ملک حاصل کرلیا۔ آیئے اس تاریخی مثال کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیں۔ انگریز کے خلاف جنگ آزادی لڑنے والے مجاہدوں کی اکثریت اللہ کو پیاری ہوچکی ہے، ان کی ایک نسل بڑھاپے میں قدم رکھ چکی ہے۔ دوسری بلکہ تیسری نسل بھی جوان ہوگئی ہے۔ لیکن ذہنی غلامی ہے کہ ابھی تک باقی ہے، آخر کب تک؟ بنی اسرائیل نے چالیس سال کے بعد اپنی منزل پالی تھی لیکن ہم ہیں کہ پون صدی کے بعد بھی راستے کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ جانے ہم اپنی منزل تک کب پہنچیں گے؟

اتنی تو دور منزل دارفتگاں نہ تھی کن راستوں پہ ہوں کہ ابھی تک سفر میں ہوں؟

علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

دل توڑ گئی اس کا دو صدیوں کی غلامی دارد کوئی سوچ اس کی پریشاں نظری کا

صاحب سوچنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دارد (علاج) موجود ہے۔ صدیوں پہلے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم حراء سے اُترے تو ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لائے تھے جو آج بھی اپنی اصلی شکل وصورت میں جوں کا توں محفوظ ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

آپ بچپن سے ہی قرآن حکیم کی تلاوت کرتے چلے آرہے ہیں، بتایئے آپ نے اس کے مفہوم کو کہاں تک سمجھا ہے؟ رمضان کی راتوں کے دوران (تراویح کی نماز میں) ہر سال آپ کو مکمل قرآن پاک سنایا جاتا ہے۔ نماز پنجگانہ میں اس مقدس کلام کو پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ قرآن خوانی کی محفلوں میں اسے کئی کئی بار پڑھا اور ختم کیا جاتا ہے۔ ذرا بتایئے تو سہی کہ کتنے فی صد لوگ ایسے ہیں جو اسے سمجھ سکتے ہیں؟ آپ کا جواب یہی ہے نا کہ پڑھنے اور سننے والوں کی اکثریت صرف الفاظ پڑھتی اور آواز سنتی ہے۔ معنی ومفہوم تک اسے رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ کبھی آپ نے سوچا کہ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ کیا ہماری قوم ساری عمر اسے بغیر سمجھے پڑھتی اور سنتی رہے گی؟ کیا آپ کے دل میں کبھی یہ اُمنگ پیدا ہوئی ہے کہ آج جتنی تلاوت کی گئی ہے ذرا دیکھیں تو سہی اس کا مطلب کیا ہے؟ قرآن نے ہمیں کیا ہدایت دی ہے؟ کس کام کا حکم صادر فرمایا ہے اور کس کام سے روکا ہے؟ اگر یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی تو آخر کیوں؟ آپ کے بال سفید ہونے کو آگئے ہیں اور آپ ابھی تک قرآن سے بیگانہ ہیں! آپ کے سامنے ایک چشمہ صافی اُبل رہا ہے۔ آپ اس آب حیات سے اپنی پیاس کیوں نہیں بجھاتے؟ کیا آپ زم زم کے ہوتے ہوئے بھی پیاسے ہی رہیں گے؟ نہیں صاحب نہیں ہرگز نہیں۔

آیئے لمحہ بھر کو سوچیں کہ ہم قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے اس سے دور کیوں ہیں؟ ہماری زبانوں پر قرآن کے الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ حافظوں کے سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے اس قدر قرب کے باوجود اس کے معنی ومفہوم سے اس قدر دوری آخر کیوں ہوتی جارہی ہے؟ کس نے ہمیں قرآن سے دور کردیا ہے؟

آپ ایک پڑھے لکھے شخص ہیں۔ آپ کے پاس اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں ہیں۔ آپ کی عمر پڑھنے اور پڑھانے میں بیت گئی ہے۔ آپ کسی بھی موضوع پر گھنٹوں لیکچر دے سکتے ہیں۔ اور کسی بھی عنوان پر قلم اٹھائیں تو سیکڑوں صفحات

سیاہ کرسکتے ہیں۔ان تمام خوبیوں کے باوجود قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے آپ کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ اس کلام کا مفہوم کیا ہے۔اتنی تعلیم کے ہوتے ہوئے جب آپ کا یہ حال ہے تو تصور کیجیے کہ ان لوگوں کی کیفیت کیا ہوگی جو بالکل اَن پڑھ ہیں۔تعلیم یافتہ اور جاہل لوگ سبھی آخر قرآن سے دور کیوں ہوگئے ہیں؟ اگر میں اپنا سوال (قدرے الفاظ بدل کر) یوں کروں تو بے جا نہ ہوگا کہ کس نے آپ سے قرآن حکیم چھین لیا ہے؟ ان سوالوں کے جواب کے لیے ہمیں اپنے ماضی کی طرف جھانکنا ہوگا۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

آیئے ایک نظر اپنی گزشتہ تاریخ پر ڈالیں۔مغلیہ دور کے آخری ایام میں انگریزوں نے تاجروں کے بھیس میں ہمارے ملک میں قدم رکھا تھا۔ان کی تجارت سے بظاہر کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا،لیکن اُنھوں نے اس دھندے کی آڑ میں اتنی طاقت فراہم کرلی کہ ہمارے حکمرانوں سے تاریخ چھین کر برصغیر کے حاکم بن گئے۔انھوں نے ہمیں غلام بنایا اور خوئے غلامی پختہ کرنے کے لیے میکالے کا مرتب کردہ نظام تعلیم مسلط کردیا۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

اس من کالے کے نظام تعلیم کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ایک ایسی کھیپ تیار کی جائے جو انگریزی حکومت کے لیے مدد ومعاون بن سکے اور فرنگی نظام کو نہ صرف سہارا فراہم کرے بلکہ اسے برقرار رکھ سکے حتیٰ کہ انگریزوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد بھی ہندوستان پر غلامی کا جو بدستور رکھا رہے بالفاظ دیگر آزادی کی روح کو اتنا کچل دیا جائے کہ آزاد ہونے کے بعد بھی یہ لوگ ذہنی طور پر غلام ہی رہیں۔اس شاطرانہ نظام تعلیم پر علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ نے صدائے احتجاج بلند کی تھی۔لیکن نقارخانے میں طوطی کی کون سنتا ہے؟ شروع میں ان کا خیال تھا کہ اس نظام تعلیم سے نہ صرف ذہن روشن ہوں گے بلکہ عمل میں بھی خیر کا پلڑا بھاری رہے گا لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ جدید تعلیم کی آڑ میں بے دینی اور الحاد کو فروغ حاصل ہورہا ہے تو وہ ضبط نہ کرسکے اور بے اختیار پکار اُٹھے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ
تخم دیگر بکف آریم و بکاریم زنو کانچہ کشتیم زخجلت نہ تواں کرد درو (۱)

من کالے کے نظام تعلیم کے منفی نتائج نکلنے لگے تو علامہ نے دیکھا کہ نئی نسل آہستہ آہستہ اسلام سے دور ہورہی ہے۔چنانچہ وہ فرنگی سازش کو بھانپ گئے اور لگی لپٹی رکھے بغیر واشگاف الفاظ میں اعلان کیا:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین ومروّت کے خلاف
اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

اُنھوں نے جب نئی نسل کو اسلام سے بیگانہ ہوتے دیکھا اور محسوس کیا کہ اسے فرنگی تہذیب میں رنگا جا رہا ہے تو بولے:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا ''لا الہ الا اللہ''

علامہ نے جب من کالے کے سیاہ نظام تعلیم کو غور سے دیکھا، اس کے مختلف پہلوؤں کو پرکھا اور اس کے مقاصد ونتائج پر تدبر کیا تو اس نتیجے پر پہنچے:

اگر ہمیں مکتب و ہمیں ملا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

اگر یہی سکول اور کالج رہے اور یہی استاد بدستور پڑھاتے رہے طلباء کی تعلیم کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔

انھیں ان تعلیمی اداروں سے برابر یہی شکوہ رہا کہ یہاں ایک حکمران قوم (مسلمان) کے نونہالوں کو غلام رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندان مکتب سے سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

علامہ مرحوم ومغفور کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ نظام فرنگی کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں وہ خوبیاں ختم ہو جائیں گی جو ہمارے آباواجداد کا طرۂ امتیاز تھیں۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہ بازی

علامہ مرحوم فرنگی کی تعلیم پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تعلیم مغربی ہے بہت جرأت آفریں پہلا سبق ہے، بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ

علامہ اقبال اگرچہ خود مغرب سے پڑھ کر آئے تھے لیکن اُنھوں نے اپنے آپ کو مغربی سوچ اور مغربی اطوار سے بچائے رکھا، جب کہ اپنے ملک میں مغربی تعلیم کے منفی نتائج نکلتے دیکھ کر انھیں فکر لاحق ہوئی کہ کہیں مغربی تہذیب اسلامی تہذیب پر غالب نہ آئے۔ اُنھوں نے ایک مقام پر انتہائی دکھ بھرے لہجے میں کہا ہے:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ

روش مغربی ہے مدِنظر وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

حواشی.

(1) اہم ایک اور بیج تلاش کر کے نئے سرے سے بوئیں کیونکہ ہم نے پہلے جو فضول فصل بوئی تھی مارے شرمندگی کے اسے کاٹ بھی نہیں سکتے۔

(جاری ہے)

شاہ بلیغ الدینؒ

میدان اُحد

ہجرت کا تیسرا سال ہے۔ ۷ رشوال کی صبح کو سورج طلوع ہوا تو ایک طرف سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اور دوسری طرف سے(۱) اُعلُ الھُبُل کی صدائیں اٹھیں اور دیوی دیوتاؤں کے جے کارے بھرے گئے۔

مدینہ منورہ کے شمال میں کوئی تین میل ادھر پہاڑی کے دامن میں مسلمان اور قریش پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔(۲) یہی میدان اُحد ہے۔

ابوسفیان اور عکرمہ تلے بیٹھے ہیں کہ آج مسلمانوں سے جنگ بدر کا بدلہ لیں گے۔ کوئی انہیں دیکھے تو سمجھے کہ خون کے پیاسے کسے کہتے ہیں زندگی کے ہر اثاثے کو پھونک کر وہ میدان جنگ میں آتے ہیں۔ اور تو اور اُن کی عورتیں تک گھروں سے نکل آتی ہیں۔ ابوسفیان کی بیوی، خالد بن ولید کی بہن، عمرو بن عاص کی شریک حیات اور مصعب بن عمیر کی ماں! قریش کے بڑے گھرانوں کی کون بہو بیٹی ہے جو آج یہاں نہیں! پندرہ عماریوں میں بھر کر ان کا قافلہ آیا ہے(۳)۔ ان کے سامنے بھلا اُن کے مردوں کے قدم پلٹ سکیں گے؟

یہ رجز پڑھتی ہوئی اپنے مردوں کو دیکھ رہی ہیں(۴) ان کی غیرتوں کو للکار رہی ہیں۔ ایک سے ایک آتشیں بول ہے۔

ہم ہیں ستارہ زادیاں افلاک کی شہزادیاں
دکھلاؤ گے جرأت اگر لاؤ گے انسانوں کے سر
دیں گی مبارکبادیاں افلاک کی شہزادیاں(۵)

میدان جنگ میں کون ہوگا جس کی غیرت ان اشعار کو سُن کر جاگ نہ پڑے! قریش تو ویسے ہی جوش انتقام میں اندھے ہو رہے ہیں۔ ادھر مسلمان ہیں عجب بے سروسامانی کا عالم ہے۔ منافق عبداللہ ساتھ چھوڑ کر جا چکا ہے اس کے تین سو ساتھی بھی اسلامی لشکر سے ٹوٹ چکے ہیں مشکل سے سات سو جانباز اپنے آقائے نامدار کے جلو میں ہیں۔ کوئی ان خدا کے نام لیواؤں پر نظر ڈالے! صرف دو گھوڑے ان کے پاس ہیں اُدھر سات سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ! ادھر صرف سوزرہ پوش، ادھر سات سو آہن پیکر، فولاد شکن! ادھر سمرہ(۶) اور رافع(۷) جیسے لڑکے ادھر قریش کے تین ہزار سورما!

(۸) دن چڑھا نائے کرائے اور دف برائے۔ دونوں فوجیں ڈٹ کر کھڑی ہو گئیں، قریش کا کیا انتظام وانصرام ہے! سیدھے بازو خالد بن ولید کمان کر رہے ہیں، اور الٹے ہاتھ عکرمہ! درمیان میں سردار لشکر ابوسفیان ہے،

سوار صفوان کے تحت ہیں، تیرانداز ابن ربیعہ کے! طلحہ کے ہاتھ میں لات وہبل کا پھریرا ہے۔

حضور اکرم نے اُحد کی پہاڑی کے بالکل آگے اپنے جاں نثاروں کو صف بستہ کیا۔(۹) حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھوں میں مسلمانوں کا جنگی پرچم لہرا رہا ہے۔حضرت زبیر فوج کے سالار ہیں۔(۱۰) بے زرہ سپاہیوں کا دستہ حضرت امیر حمزہ کے پاس ہے اور تیراندازوں کی ایک ٹکڑی جناب عبداللہ بن جبیر کی نگرانی میں ہے۔عینین پر مامور یہ دلاور یہودیوں کے ناگہانی حملے سے بھی مسلمانوں کی حفاظت کریں گے۔یہودی میدان جنگ میں تو نہیں آس پاس کی بستیوں میں رہتے ہیں لیکن میدان جنگ میں کب کیا ہو جائے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔انہوں نے پہلے ہی مدینے میں خوفناک خبریں پھیلا رکھی ہیں۔اس لئے مجاہد اعظم نے ہر بات کا خیال رکھا ہے۔یہی تیرانداز اسلامی فوج کے پچھلے راستے کی حفاظت بھی کریں گے۔

طبل جنگ پر چوٹ پڑی۔لڑائی شروع ہوئی۔دونوں طرف سے جیالے دشمنوں کو للکارتے نکلے۔اُدھر سے ابو عامر، طلحہ عثمان اور ابو سعید آئے۔ادھر سے حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص آگے بڑھے۔وہ نعرے لگے کہ آسمان تھرا اٹھا۔سب کو داؤ رواں تھے۔ہر ایک گھات میں طاق تھا۔یوں تلواریں چمکیں جیسے کوندے لپکے!

تھوڑی دیر میں ابو عامر پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا اور طلحہ، عثمان اور ابو سعید کی لاشیں زمین پر پڑی تڑپنے لگیں۔ قریشی جراروں کا خون کھول گیا! پلک جھپکتے مسلمانوں کے قلب لشکر میں جا کر دھواں دھار ہو گئے۔

آنحضرت کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی۔آپ کبھی اسے دیکھتے کبھی اپنے فدائیوں کو دیکھتے۔جس جان نثار نے آپ کا یہ عالم دیکھا شوق اور اضطراب کا ایک طوفان اسے لے ڈوبا۔اتنے میں آپؐ نے اعلان (۱۱) فرمایا۔

کوئی ہے جو اسے مجھ سے لے اور اس کا حق ادا کرے!

اللہ اللہ یہ سعادت!!!

سبھی آگے بڑھنے کو تھے کہ حضرت زبیر نے پہل کی۔اسلامی فوج کا سالار آگے بڑھا تو دوسرے رک گئے لیکن حضور صلعم نے توجہ نہ فرمائی، پھر ارشاد ہوا

کون اس تلوار کو اس کے حق کیلئے لیتا ہے؟

حضرت زبیر پھر آگے بڑھے۔آپ نے پھر دست مبارک روک لیا۔جب تیسری مرتبہ حضور کی زبان سے یہی الفاظ نکلے تو جاں نثاروں کے دل مچل گئے۔بنی ساعدہ کے دلاور ابو دجانہ سے رہا نہ گیا۔تڑپ کر آگے بڑھے۔عرض کیا۔

یا رسول اللہ میں اس کا حق ادا کروں گا۔آپ حکم فرمائیں کہ اس کا حق کیا ہے (۱۲)

ارشاد ہوا۔کوئی مسلمان اس سے مارا نہ جائے اور کوئی کافر اس سے بچنے نہ پائے۔ابودجانہ نے سرِتسلیم خم کیا۔ آپ نے تلوار عنایت فرمائی تو دلاور نہال ہوگیا بے اختیار رجز کے بول زبان پر آ گئے (۱۳) یہ اللہ اور اس کے رسول کی تلوار ہے۔یہ رک نہیں سکتی۔

میں تھم نہیں سکتا۔دشمن کی آخری صف تک میں ایک ایک کا سینہ چیر کر رکھ دوں گا!

عرب میں ابودجانہ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔بڑے بڑے سورما ان کا نام سن کر پیٹھ پھیر دیتے تھے۔(۱۴) آج تو کچھ پوچھنا ہی نہ تھا وہ اپنے مقدر پر نازاں تھے لڑائی کو نکلے تو اس شان سے کہ ایک سُرخ رومال سر پر باندھ لیا۔سینہ تانے گردن اکڑائے بڑی آن بان سے قدم آگے بڑھانے لگے۔حضور نے تلوار عنایت فرمائی تھی تو پاؤں ہی زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ابودجانہ کا یہ حال دیکھا تو آپ نے فرمایا۔خدا کو یہ چال پسند نہیں لیکن اس وقت یہ بہت خوب ہے (۱۵)

ابودجانہ کو آج کون روک سکتا تھا۔دشمنوں کی صفوں میں کہرام مچ گیا جس پر ان کی تلوار اٹھی وہ زمین کا ہو رہا۔ ایک سرے سے نکلے تو دوسرے سرے تک درّاتے چلے گئے۔صفیں الٹتے دشمن کے عقب میں پہنچے تو دیکھا کوئی بڑے جوش اور جذبے سے اپنے ساتھیوں کو للکار رہا ہے۔ابودجانہ اس پر جھپٹے۔تلوار ہوا میں لہرائی تو برق سی چمک گئی۔دشمن پلٹا دیکھا موت سر پر کھیل رہی ہے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ہاتھ جوڑ کر کہا میں ہوں ہند! مجھ پر رحم کرو، ہند کا نام سن کر ابودجانہ کا خون جوش کھا گیا لیکن وہ الٹے پاؤں پھر گئے۔بہادر نے کہا۔رسول اللہ کی دی ہوئی تلوار عورت پر نہیں اٹھے گی! اس مقدس تلوار کو پاک رکھنا ہی بہتر ہے۔(۱۶)

ابودجانہ صفوں کو چیر کے آگے بڑھ رہے تھے کہ دیکھا دو رد دشمن سرورِ کائنات کی طرف بڑھ رہے ہیں۔دوڑ کر پہنچے۔آنحضرت پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ابن قمیہ آگے بڑھا چلا آ رہا تھا۔خود ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے۔تیر آ آ کر پیٹھ لہولہان کر رہے تھے، مگر یہاں تو جان وتن وار دینے کی دھن سوار تھی۔(۱۷)

جنگ ختم ہوئی۔حضور اکرم گھر تشریف لے گئے۔حضرت فاطمہ حاضر تھیں۔حضرت علی نے اپنی تلوار انھیں دی، فرمایا۔اس کا خون دھوڈالو! آج اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔

حضور اکرم نے سُنا تو ارشاد فرمایا۔صرف تمہاری تلوار ہی نے نہیں ابودجانہ کی تلوار نے بھی آج اپنا حق ادا کر دیا۔(۱۸)

اِدھر ابودجانہ جنہیں شہادت کی تمنا رہ گئی تھی، زخموں سے چُور تڑپ تڑپ کر کہہ رہے تھے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حواشی

(۱)ہُبل اونچا رہے۔"(۲) مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا فاصلہ ۲۱۲ میل یا ۲۵۰ میل بتایا جاتا ہے، راستے مختلف تھے۔ فاصلہ اس سے کم اور اس سے زیادہ بھی ممکن ہے۔ ہجرت کے وقت جناب رسالتمآب صلعم نے سب سے کم فاصلے کا راستہ اختیار فرمایا تھا لیکن یہ راستہ کٹھن تھا اس زمانے میں معروف راستے چار تھے جن میں سے تین رابغ سے ہو کر نکلتے تھے۔(۳) واقدی، ابن سعد (احد) اور مسعودی تنبیہ اشراف (۴) طبری (۵) شاہنامۂ اسلام (حفیظ جالندھری)

(۶) سمرہ بن جندب 15 برس کی عمر تھی (۷) رافع بن خُدَیج۔ یہ بھی ۱۵ برس کے تھے (۸) ہفتہ، 7 شوال 3ھ م 23 مارچ 625ء، ابن اسحٰق نے 15 شوال تاریخ جنگ لکھی ہے (۹) احد کے جنوبی رخ ایک قوس کی سی صورت بن گئی ہے یہیں شمالی سرے پر ایک پتلا سا راستہ ہے۔ اس کے بعد کھلا میدان آتا ہے۔ یہ بڑی محفوظ جگہ تھی۔ یہاں ہادیٔ برحق صلعم نے اپنی فوج کو صف آرا کیا۔ قریش واقدی کے بیان کے بموجب زغابتہ میں اُترے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ وادی قناۃ کے کنارے انھوں نے اپنی فوج کو ترتیب دیا بعض روایتوں کی رو سے ان کی فوج پانچ ہزار پر مشتمل تھی عام طور پر تین ہزار تعداد بتائی جاتی ہے۔ (۱۰) زرہ پوشوں کے سالار- زرہ پوش عموماً سوار ہوتے لیکن احد میں جس دستے کی حضرت زبیر نے قیادت کی وہ پیدل تھا. زرہ اور خود لوہے کے ہوتے تھے۔ اس دور میں چمڑے کی زرہوں اور چمڑے کی ڈھالوں کا بھی رواج تھا۔ خود میں گدھ یا شتر مرغ کے پر لگائے جاتے تھے۔ پیدل فوج بھی زرہ پہنتی۔ اس کا عام لباس گھٹنوں تک کرتا یا عبا، پاجامہ اور جوتے ہوتے۔ دشمن کے سوار دستے کو نیزہ باز روکتے، فتح کا دارومدار تیر اندازوں پر ہوتا۔(۱۱) اصابہ جلد ہفتم ص 57 /طبری۔ ابوبکر بن ابی شیبہ (مسلم باب فضائل صحابہ) (۱۲) ابن اثیر لکھتے ہیں، حضرت ابو دجانہ کا شمار صاحبِ فضل صحابہ میں تھا۔ بڑے نڈر اور بلا کے دلیر تھے۔ عہد نبوی کے تمام غزوات میں شریک رہے اور احد میں ان کی فدائیت اور جان نثاری یادگار رہ گئی جنگ یمامہ میں بھی انھوں نے بے نظیر شجاعت کا ثبوت دیا مسیلمہ ایک باغ میں قلعہ بند ہو کر اپنی فوجوں کو لڑا رہا تھا، جب دشمن پر در ہونے کی کوئی صورت نہ رہی تو حضرت ابو دجانہ نے کہا کہ مجھے اٹھا کر باغ کی دیوار کے اندر پھینک دو۔ اس طرح ان کا پیر ٹوٹ گیا مگر برابر لڑتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے۔ اللہ نے اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح دی ابو دجانہ کنیت تھی، نام تھا سماک حضور اکرم نے حضرت عتبہ بن غزوان سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا تھا حضرت سعد بن عبادہ ان کے چچازاد بھائی تھے۔ ابو دجانہ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے۔(۱۳) طبری (عہد رسالت تذکرہ احد) رجز کے جو شعراء اس موقع پر ابو دجانہ کی زبان سے نکلے ان کا مفہوم کچھ یوں تھا۔ ارشاد ہوا تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟ میں نے کہا۔ میں جو ہوں حق کا بندہ! ارشاد ہوا۔ یہ سیف اللہ ہے! عرض کیا۔ حقّا عطیہ رسول اللہ ہے! یہ رب العزت کی دین ہے مالک ملک کا تحفہ ہے! ماوردی (احکام السلطانیہ- باب چہارم) گل یوم (مغازی ابن اسحٰق مطبع جامعہ اکسفر ڈ کراچی 1967ء صفحہ 373)

(۱۴) ابن سعد (غزوہ احد) (۱۵) عیون الاثر (۱۶) ابن اسحاق، طبری (۱۷) عیون الاثر- سیرت ابن ہشام (۱۸) طبری

عطاء محمد جنجوعہ قسط نمبر (۱)

مسئلہ باغِ فدک اور
حضرت ابوبکر کی سنتِ نبوی پر استقامت

سید الکونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کے لیے جان و مال کی قربانی کا حکم صادر فرمایا تو صحابہ کرام نے آپ کی پکار پر ہمہ وقت لبیک کہی اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششیں کیں۔ رسول اللہ نے غزوۂ تبوک کے طویل سفر کے لیے عطایا طلب فرمائے تو صحابہ کرام نے اپنی بساط کے مطابق پیش کیے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر سے مال لے کر حاضرِ خدمت ہوئے تو رسول اللہ نے دریافت کیا: عمر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ''اسی کے برابر۔''

ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مال لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرورِ کائنات نے ان سے پوچھا: اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی محبت چھوڑ کر آیا ہوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں تن من دھن نچھاور کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ایک طبقہ لب کشائی کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ زہر رضی اللہ عنہا کو فدک کے ورثے سے محروم کر دیا تھا، لیکن تاریخی حقائق اس کی نفی کرتے ہیں۔

شریعت میں جو مال مسلمان لڑ کے کافروں سے حاصل کریں اس کو ''غنیمت'' کہتے ہیں۔ اس میں چار حصے لڑنے والے کے ہیں اور ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، جب کہ وہ مال جو لڑے بغیر ہاتھ آئے اس کو ''مالِ فَے'' کہتے ہیں، وہ خاص رسول کا ہے:

(وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝) [الحشر: ٦]

''اور ان کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

فدک ایک گاؤں کا نام ہے۔ مدینہ منورہ اور اس کے درمیان تین منزل کا فاصلہ ہے۔ ۶ھ میں جب خیبر فتح ہو

گیا تو فدک کے یہودیوں نے مرعوب ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی اور پیداوار میں سے اہلِ خیبر کی طرح حصہ دینا منظور کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فدک و دیگر مالِ فے میں سے اپنے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے اخراجات الگ کر لیتے تھے۔ اسی فدک کی آمدنی میں سے جہاد فی سبیل اللہ اور آنے والے مسافروں پر خرچ کیا کرتے تھے۔ نیز بنو ہاشم کے نکاحوں پر بھی اسی فدک کی آمدنی میں سے خرچ کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ خمس اور مالِ فے میں جو آلِ رسول کا حق تھا، اس کی تقسیم کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو متولی بنایا۔ چوں کہ مالِ فے، خصوصاً فدک کی آمدنی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے، اس بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کی توریث کا مطالبہ کیا اور خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں ایک آدمی بھیجا۔ صحیح بخاری میں ہے:

"عن عائشة أن فاطمة أرسلت إلى أبي بكر تسأله ميراثها من النبي صلى الله عليه وسلم مما أفاء الله على رسوله تطلب صدقة النبي صلى الله عليه وسلم التي بالمدينة و فدك و ما بقي من خمس خيبر." (صحيح بخاري، رقم: ٣٧١١)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں اپنا آدمی بھیج کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والی میراث کا مطالبہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ''فے'' کی صورت میں دی تھی (یعنی آپ کا مطالبہ مدینہ کی اس جائیداد کے بارے میں تھا جس کی آمدن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصارفِ خیر میں خرچ کرتے تھے) اور اسی طرح فدک کی جائیداد اور خیبر کے خمس کا بھی مطالبہ کیا۔''

"فقال أبو بكر: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ((لا نورث، ما تركنا فهو صدقة، إنما يأكل آل محمد من هذا المال، يعني مال الله ليس لهم أن يزيدوا على المأكل.)) و إني و الله! لا أغير شيئا من صدقات النبي صلى الله عليه وسلم التي كانت عليها في عهد النبي صلى الله عليه وسلم و لأعملن فيها بما عمل فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم فتشهد علي، ثم قال: إنا قد عرفنا يا أبابكر فضيلتك، و ذكر قرابتهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم و حقهم، فتكلم أبو بكر، فقال: و الذي نفسي بيده! لقرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم أحب إلي أن أصل من قرابتي." (صحيح بخاري، رقم: ٣٧١٢)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور خود فرما گئے ہیں کہ ہماری میراث نہیں ہوتی۔ ہم (انبیاء)

جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اور یہ کہ آل محمد کے اخراجات اسی مال میں سے پورے کیے جائیں، مگر انھیں یہ حق نہیں ہوگا کہ کھانے کے علاوہ اور کچھ تصرف کریں اور میں اللہ کی قسم حضور کے صدقے جو آپ کے زمانے میں ہوا کرتے تھے، ان میں کوئی ردّوبدل نہیں کروں گا، بلکہ وہی نظام جاری رکھوں گا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا۔ پھر حضرت کرم اللہ وجہہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت و مرتبے کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت کا اور اپنے حق کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ کے قرابت داروں سے سلوک کرنا مجھ کو اپنی قرابت والوں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ پسند ہے۔''

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنھا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا علم نہیں تھا، لیکن جب ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خبر دی تو وہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہوگئیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد نہ تو آپ نے اور نہ آپ کی اولاد نے میراث کا مطالبہ کیا اور جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ بن گئے تو انہوں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما کے فعل سے سرِمو انحراف نہ کیا۔

شبہ:

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی فرمانِ نبوی سن کر راضی ہوگئیں تو بعض روایتوں میں ناراض ہونے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کرنے کا ذکر کیوں ہے؟

ازالہ:

حدیث یا تاریخ کی کسی کتاب میں مذکور نہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا فدک کی محرومی کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں، البتہ فدک سے متعلق روایت میں راوی کے گمان ''**لم تتکلم**'' کا ذکر ضرور ہے۔ روایتِ فدک تین صحابہ؛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے۔ جہاں تک حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوطفیلؓ سے اس بارے میں روایت ہے، اس میں سرے سے ''**غضبت فاطمة**'' کے الفاظ ہیں ہی نہیں۔ تیسری روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بذریعہ امام زہری مروی ہے اور امام زہری کے بہت سے شاگردوں میں سے بعض نے ناراضی کا ذکر کیا ہے اور بعض نے سرے سے اس کا نام تک نہیں لیا۔ جن بعض نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں انہوں نے بھی بعض موقع پر انھیں بیان نہیں کیا۔ اور جہاں جہاں ناراضی کا ذکر آیا ہے ان میں کسی جگہ ناراضی خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے طور پر

بیان نہیں کی گئی کہ جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غضب ناک اور ناراض ہونا ثابت ہو سکے۔

صحیح بخاری (کتاب اصحاب النبی، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ.....الخ، حدیث: ۳۷۱۱) میں شعیب نے اپنے استاد امام زہری سے منقول روایت میں ناراضی کا ذکر نہیں کیا، جب کہ مذکورہ روایت صالح نے اپنے استاد ابن شہاب زہری سے بیان کی ہے، اس میں ناراضی کا لفظ موجود ہے:

"أن عائشة أم المؤمنين أخبرته أن فاطمة بنت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم سألت أبا بكر الصديق بعد وفاة رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أن يقسم لها ميراثها ما ترك رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم مما أفاء اللّٰه عليه." (صحیح بخاری، رقم:۳۰۹۲)

''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا تھا کہ آنحضرت کے اس ترکے سے انھیں ان کی میراث کا حصہ دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو مالِ فے کی صورت میں دیا تھا۔'' (جیسے فدک وغیرہ کے موقع پر)

"فقال لها أبوبكر: إن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: ((لا نورث ما تركنا صدقة.)) فغضبت فاطمة بنت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فهجرت أبا بكر، فلم تزل مهاجرته حتى توفيت و عاشت بعد رسول اللّٰه صلى الله عليه سلم ستة أشهر، قالت: و كانت فاطمة تسأل أبا بكر نصيبها مما ترك رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم من خيبر و فدك و صدقته بالمدينة، فأبى أبوبكر عليها ذلك، و قال: لست تاركا شيئا كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يعمل به إلا إني عملت به، فإني أخشى إن تركت شيئا من أمره أن أزيغ. فأما صدقته بالمدينة فدفعها عمر إلى علي و عباس، و أما خيبر و فدك فأمسكهما عمر و قال: هما صدقة رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كانتا لحقوقه التي تعروه و نوائبه، و أمرهما إلى من ولي الأمر. قال: فهما على ذلك، فغضبت فاطمة بنت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فهجرت أبابكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت." (صحيح بخاري، رقم: ۳۰۹۳)

''حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی حیات میں) فرمایا تھا کہ ''ہمارا (گروہِ انبیاء کا) ورثہ تقسیم نہیں ہوتا، ہمارا ترکہ صدقہ ہے۔'' حضرت فاطمہؓ یہ سن کر غصہ ہو گئیں اور حضرت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات چھوڑ دی اور وفات تک ان سے نہ ملیں۔ وہ رسول اللہ کے بعد چھ مہینے

زندہ رہی تھیں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر اور فدک اور مدینہ کے صدقے کی وراثت کا مطالبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کیا تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس سے انکار تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں کسی بھی ایسے عمل کو نہیں چھوڑ سکتا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں کرتے رہے تھے کیوں کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کو چھوڑ دیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔(حضرت عائشہؓ نے کہا کہ) آنحضرت کا مدینہ کا جو صدقہ تھا وہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو (اپنے عہدِ خلافت میں) دے دیا، البتہ خیبر اور فدک کی جائیداد کو حضرت عمرؓ نے روک رکھا اور فرمایا: یہ دونوں جائیدادیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہیں جو ان حقوق کے لیے جو وقتی طور پر پیش آتے یا وقتی حادثات کے لیے رکھی تھیں۔ یہ جائیداد اس شخص کے اختیار میں رہیں گی جو خلیفۂ وقت ہو۔''

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جملے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ارشادات میں سے ہیں کیوں کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کر رہے ہیں، مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔

صحیح بخاری (حدیث: ۶۷۲۵، ۶۷۲۶) میں معمر نے اپنے استاد امام زہری سے روایت بیان کی ہے۔اس پر امام بخاری نے باب قائم کیا ہے:

''باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ((لا نورث، ما ترکنا صدقة)).''

''باب نبی کریم کا فرمان ہے: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔''

اس کے بعد حدیث بیان کی ہے:

''عن عروة عن عائشة أن فاطمة و العباس أتيا أبابكر يلتمسان ميراثهما من رسول الله صلى الله عليه وسلم و هما يومئذ يطلبان أرضيهما من فدك و سهمه من خيبر.

فقال لهما أبوبكر: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ((لا نورث، ما تركنا صدقة. إنما يأكل آل محمد من هذا المال.)) قال أبوبكر: و الله! لا أدع أمرا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنعه فيه إلا صنعته، قال: فهجرته فاطمة فلم تكلمه حتى ماتت.''

''عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور عباس رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی میراث کا مطالبہ کرنے آئے، یہ فدک کی زمین کا مطالبہ کر رہے تھے اور خیبر میں بھی اپنے حصے کا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:

''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ بلاشبہ آل محمد اسی مال میں سے اپنا خرچ پورا کرے گی۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: واللہ! میں کوئی ایسی بات نہیں ہونے دوں گا، بلکہ جو میں نے رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہوگا وہی میں بھی کروں گا۔ کہا کہ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے تعلق کاٹ لیا اور موت تک ان سے کلام نہیں کیا۔''

مذکورہ بالا حدیثِ فدک کے آخر میں بجائے ''غضبت'' کے ''قال: فهجرت فلم تكلمه حتى ماتت'' موجود ہے، اس عبارت کے سرے پر جو لفظ ''قـــال'' آیا ہے، وہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ فقرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فرمان میں سے نہیں ہے، بلکہ اس جملے کو ذکر کرنے والا کوئی مرد ہے کیوں کہ ''قـال'' صیغہ واحد مذکر غائب ہے، پس اس روایت میں جو ترکِ گفتگو اور ناراضی کے الفاظ ہیں، وہ امام ابن شہاب زہری کے کسی شاگرد کے ہیں۔

یہی فدک والی روایت امام ابن جریر طبری کی تاریخ الملوک والأمم (۲/ ۴۴۸) میں موجود ہے، وہاں بھی لفظ ''قـال'' مذکور ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ترکِ گفتگو اور ناراضی کی بات کی راوی ام المومنین نہیں ہیں، بلکہ کوئی مرد ہے جو اس روایت کی سند میں امام ابن شہاب زہری سے نیچے موجود ہے۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ اس روایت کے مرد راویوں میں سے کوئی بھی اس واقعے کا چشم دید گواہ نہیں ہوسکتا، ان میں سے جو سب سے مقدم ہے وہ حضرت عروہ بن زبیر ہیں جن کی ولادت ۲۲ھ میں ہے اور فدک کا قصہ ۱۱ھ کا ہے۔

بسا اوقات راوی اپنے قیاس اور ظن سے ایک بات کہتا ہے جو روایت کا جز تصور کر لی جاتی ہے، مگر تفتیش اور جستجو اس چیز کو الگ کر دیتی ہے، اسی طرح اس روایت میں ترکِ گفتگو راوی کا اپنا قیاس ہے جس کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول قرار دیا گیا ہے، پھر ترکِ گفتگو کی وجہ ناراضی تصور کر کے ناراضی کا اظہار بھی کسی راوی کا رہینِ منت ہے، واللہ اعلم۔

شاید یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر حدیثِ فدک درج ہے، مگر ناراضی کا فقرہ صرف دو مقامات پر آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے ترکِ گفتگو اور ناراضی کو لازم ملزوم تصور کر لیا ہے حالانکہ ترکِ گفتگو عدمِ ضرورت کی بنا پر بھی ہوسکتی ہے اور اطمینان کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ راوی کے گمان پر ''فغضبت فاطمة فهجرت'' یعنی حضرت فاطمہ غصہ ہوگئیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے گفتگو ترک کر دی کے الفاظ تو ہیں لیکن اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایسا فرمان موجود نہیں کہ میرا حق غصب ہوا، لہٰذا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سخت ناراض ہوں، یا انہوں نے مجھ سے نا

انصافی کی، اس لیے میں ان سے کبھی بات چیت نہیں کروں گی۔

"لم تتکلم" کے الفاظ کی تحقیق کریں۔ خوش وغمی کا تعلق قلب انسانی سے ہوتا ہے، جب تک متکلم اپنی ناراضی اور خوشی وغیرہ افعالِ قلبیہ کا خود اظہار نہ کرے، دوسرے کو اس کا علم نہیں ہوسکتا، خواہ وہ معصوم ہی کیوں نہ ہو!

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے کوہِ طور پر جانے لگے تو انہوں نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تلقین کی، جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم نے اللہ کی عبادت میں بچھڑے کو شریک بنالیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گمان کیا کہ میرے بھائی نے تبلیغ میں غفلت کی۔ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام پر عملی طور پر برہمی کا اظہار کیا، حالانکہ وہ بالکل بے قصور تھے۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات سے الگ ہوکر چند روز سے بالا خانے میں قیام پذیر ہوگئے تو آپ کے اس رویے سے کچھ لوگوں نے یہ گمان کرلیا کہ رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ جب یہ خبر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچی تو وہ اس کی تحقیق کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بالا خانے میں حاضر ہوئے اور اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: طلاق نہیں دی، وہ سب میرے نکاح میں ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت نشینی سے لوگوں نے قیاس کیا کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، حالانکہ قطعاً ایسا نہیں تھا، اسی طرح روایتِ فدک کے راوی نے اپنے استاد سے "لم تتکلم" کے الفاظ سنے تو اس سے یہ قیاس کرلیا کہ یہ الفاظ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حالتِ غضب کی طرف اشارہ کرتے ہیں، لہٰذا اس قیاس کے مطابق غلط فہمی سے "غضبت" کا لفظ زیادہ کردیا، واللہ اعلم بالصواب۔

حالانکہ "لم تتکلم" کا مقصد یہ تھا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم کا فرمان (لا نورث ما ترکنا صدقة) سن کر تسلی ہوگئی تو انہوں نے اس معاملے میں مزید گفتگو نہ کی۔

جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے صراحتاً معلوم نہ ہو کہ آپ نے اپنی قلبی کیفیت، یعنی غصے کا خود اقرار کیا اور اس کا اپنی زبان سے اظہار کیا تو اس وقت تک یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حدیثِ رسول سن کر ناراض ہوگئی تھیں۔ (جاری ہے)

سید تنظیم حسین (قسط نمبر2)

سادات بنی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور امامیہ مکتبہ فکر

تاریخی نقطہ نظر سے

حسینی سادات میں پہلا شدید اختلاف:

پہلے سلسلہ کے چوتھے امام حضرت زین العابدین نے ۹۲ھ/۷۱۰ء میں انتقال فرمایا اور ان کے جانشین ان کے بیٹے حضرت محمد الباقر ہوئے، اب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ امامت کا آئندہ سلسلہ حسینی سادات میں چلے گا۔ اس سے حسنی سادات اور عباسیوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی لیکن خود حسینی سادات میں ہی حضرت محمد الباقر کی امامت پر شدید اختلاف ہوا۔ یہ اختلاف ان کے بھائی حضرت زید کی جانب سے ہوا۔ اس اختلاف کو دور کرنے کی کوئی کوشش اس انداز پر نہیں کی گئی جیسی کہ حضرت امام زین العابدین اور حضرت محمد بن الحنفیہ کے مابین کی گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کا تعلق نظریہ امامت سے زیادہ شخصیتوں سے کم ہے۔ لہٰذا اس کا ذکر تفصیلی طور پر کیا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے ایک اور اختلاف کا ذکر کیا جاتا ہے جو اختلاف تو ہے لیکن اس کی نوعیت اتنی اہم نہیں مگر دلچسپ ضرور ہے۔

وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن حضرت امام حسین نے امامت کا دعویٰ کیا۔ (۱) نسبی اعتبار سے یہ بھی حسینی ہیں ان کے معتقدین کا ایک گروہ خراسان سے مدینہ آیا یہ گروہ پہلے عبداللہ کے پاس گیا۔ عبداللہ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں رسول اللہ کی زرہ، انگشتری، چھڑی اور عمامہ مبارک پیش کیا۔ عبداللہ سے ملاقات کے بعد یہ لوگ حضرت محمد الباقر کے یہاں پہنچے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت جعفر سے انگشتری لانے کو کہا انگشتری لائی گئی اور حضرت محمد الباقر کے کچھ الفاظ ادا کرتے ہی انگشتری سے متذکرہ بالا تبرکات گرنے شروع ہو گئے۔ حضرت محمد الباقر نے ان کو زیب تن کیا اور یہ پھر اسی طرح واپس ہو گئے۔ یہ کرامت دیکھ کر اس گروہ نے ان کی امامت قبول کر لی اس موقع پر حضرت محمد الباقر نے فرمایا کہ کوئی بھی امام برحق ایسا نہیں ہوا جس کے قبضہ میں قارون کا خزانہ نہ ہو۔ (۲)

اس روایت کے سلسلہ میں ہم اتنا عرض کریں گے کہ اگرچہ قرآن وسنت کی موجودگی میں خود مسلمانوں کا دونوں جانب سے اپنی امامت کے حق میں یہ انداز اختیار کرنا سمجھ سے بالاتر ہے لیکن ہمیں تو ان اختلافات سے صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ خود سادات میں نظریہ امامت اور شخصیتوں سے متعلق اتفاق نہ تھا۔ یہی بات سید امیر علی کو بھی کہنی پڑی۔ (۳)

حضرت محمد الباقر کے متعلق بھی ان کے معتقدین کے ایک گروہ نے یہ عقائد رکھے کہ وہ مستور ہو گئے ہیں اور پھر ظاہر ہوں گے یہ گروہ باقریہ کہلایا۔

حضرت زید شہید کے حالات:

حضرت زید جن کو تاریخ میں امام زید کہا گیا ہے، سانحۂ کربلا سے ۲ سال بعد ۶۷ھ/۶۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت امام زین العابدین کے دوسرے بیٹے ہیں۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت محمد الباقر جب ۹۲ھ/۷۱۱ء میں امام ہوئے (۴) تو آپ ۲۵ سال کے تھے۔ آپ نے حضرت محمد الباقر کو سلسلۂ امامت کا پانچواں امام تسلیم نہیں کیا اور اس طرح ایک نئے سلسلہ امامت کا اغاز ہوا جس کو زیدیہ کہا جاتا ہے۔ امامیہ میں یہ دوسرا بڑا اختلاف ہے ۱۱۲ھ/ ۷۳۳ء میں حضرت محمد الباقر کے انتقال کے بعد حضرت جعفر الصادق تھے امام ہوئے لیکن امام زید کا سلسلہ زیدیہ بدستور قائم رہا۔ امام زید کے نظریہ امامت میں جس کی تفصیل آگے چل کر آنے گی ایک اہم بات یہ ہے کہ امام ایسے شخص کو ہونا چاہیے کہ جو بزور شمشیر اپنا حق منوا سکے اس اصول کی پیروی میں ان کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ان کا اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف ۱۲۱۔۱۲۲ھ/۷۳۹ء میں خروج ہے۔ مسعودی نے خروج کا سبب اس طرح بیان کیا ہے۔ ''زید بن علی ایک مرتبہ خلیفہ ہشام اموی کے دربار میں گئے بیٹھنے کے لیے جگہ نہ تھی۔ چنانچہ مجلس کے آخر میں جا کر بیٹھ گئے۔ ہشام کو مخاطب کر کے فرمایا ''امیر المؤمنین کوئی شخص بڑا آدمی بن کر تقوی سے بے نیاز نہیں ہوسکتا اور نہ تقویٰ کی زندگی اختیار کر کے اس میں چھوٹا پن پیدا ہوتا ہے''۔

ہشام بولا: ''چپ رہ تیری ماں مرے تو لونڈی زادہ ہونے کے باوجود خلافت کا امیدوار ہے''۔

زید کہنے لگے: ''امیر المؤمنین اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی بات کا جواب دوں ورنہ خاموش رہوں۔

ہشام بولا: جواب دیجئے

حضرت زید نے کہا ''عورتیں جو مردوں کو غایات ومقاصد سے باز نہیں رکھ سکتیں حضرت اسماعیل کی ماں حضرت اسحاق کی ماں کی لونڈی تھیں۔ اس کے باوصف حضرت اسماعیل مقام نبوت پر فائز ہوئے اور سب عربوں کے جدامجد قرار پائے۔ ان کی پشت سے خیر البشر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو مجھے ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے حالانکہ میں حضرت فاطمہ وعلی کا فرزند ہوں پھر انہوں نے ہشام کے روبرو یہ اشعار پڑھے۔

''خوف نے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا اور عیب دار بنا دیا لڑائی کو برا سمجھنے والے کا یہی انجام ہوتا ہے۔

موت اس کے لیے باعث راحت تھی اور موت بندوں کے لیے ناگزیر ہے۔

اگر خدا تعالیٰ اسے قوت وشوکت سے بہرہ ور کرتا تو وہ دشمنوں کے اثار کو راکھ کی طرح نیست ونابود کر دیتا''

چنانچہ زید کوفہ چلے گئے اور وہاں سے قراء اور رؤسا کی جمعیت کے ساتھ لڑائی کے لیے نکلے۔

علامہ بغدادی ''الفرق بین الفرق'' میں لکھتے ہیں۔

''جب زید اور یوسف بن عمر وثقفی میں گھمسان کا رن پڑا تو شیعہ کہنے لگے ہم اس شرط پر آپ کی امداد کریں گے کہ آپ ابوبکر وعمر کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کریں جنھوں نے آپ کے جدامجد حضرت علی پر ظلم کا ارتکاب کیا۔ زید کہنے لگے میں تو ان کے بارے میں اچھی بات ہی کیوں گا''۔(۵)

شیعہ یہ سن کر آپ سے جدا ہو گئے اور آپ کے ساتھ چند نفوس رہ گئے۔ آپ بڑی بہادری سے لڑے اور یہ اشعار ورد زبان تھے: (۶)

ا ذل الحیاۃ وعز المماۃ

وکلا اراہ طعاماً وبیلا

ذلت کی زندگی اور عزت والی موت میں دونوں کو ناخوشگوار کھانا تصور کرتا ہوں۔

فان کان لابد من واحد

فسیری الی الموت سیرا جمیلا

اگر دونوں میں سے ایک ضروری ہے تو اے جان موت کی طرف اچھی چال سے چلتی جا۔

حضرت زید کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت زید کے جسد خاکی کو خاموشی سے سپرد خاک کیا گیا۔ قبر کو چھپانے کی کوشش کی گئی لیکن لاش کو قبر سے نکال کر سولی پر لٹکایا گیا۔ طویل عرصہ لٹکا رہنے کے بعد لاش کو جلایا گیا اور خاک دریائے فرات میں بہائی گئی شہادت کی اس المناک داستان کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کوفیوں نے جب آپ کا ساتھ چھوڑا تو آپ کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے کہ ''رفضتمونی یا قوم'' یا: ''رفضونی الیوم'' (اے قوم تو نے مجھے چھوڑ دیا/یا: تم نے ہم کو آج چھوڑ دیا) (۷) ان الفاظ کی بنیاد پر جو لوگ خلفائے ثلاثہ سے برات کا اظہار کرتے ہیں کچھ عرصہ قبل تک ''رافضی'' کہلائے جاتے رہے

(تاریخ میں آپ کو امام زید بن علی یا زید بن علی زین العابدین کہا گیا ہے)

حضرت زید کا علم و فضل:

حضرت امام زید پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ روایات میں منقول ہے کہ فرقہ معتزلہ کے بانی واصل بن عطاء نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ بھی آپ سے ملے تھے اور کسب فیض کیا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ تو آپ کے زبردست حامی تھے بلکہ جب آپ اموی لشکر سے لڑنے کے لیے نکلے تو انھوں نے فرمایا کہ آپ (حضرت زید) کا جنگ کے لیے نکلنا ایسا ہے جیسا کہ نبی کریم جنگ بدر کے لیے نکلے تھے۔ (۸) حضرت زید کے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ نے سب سے پہلے علم فقہ پر کتاب ''المجموع'' لکھی۔ اسی لیے ان کو اپنے وقت کا ایک بڑا فقیہ اور ماہر علم الکلام کہا گیا ہے۔ (۹) اس بنیاد پر ان کو سب سے پہلا فقیہ بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں عام حالات:

حضرت زید شہید کے زمانہ تک موجودہ زمانہ کی اصطلاحات یا امتیازات مثلاً اہل سنت والجماعت (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) امامیہ (زیدیہ، اسماعیلیہ، اثناعشریہ) کی ابتدا بھی نہ ہوئی تھی۔ فقہ اور حدیث کی تدوین شروع ہو رہی تھی۔ ائمہ اہل بیت میں سے صرف چھ امام (حضرت امام جعفر صادق تک) ظاہر ہونے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل (جن کو ساتواں امام ماننے والے اسماعیلی کہلاتے ہیں) اور امام موسی کاظم سے متعلق

اختلاف قریباً پچیس سال بعد ہوا۔ اور بھی بہت سی نوعیّتوں کے اختلافات تھے لیکن سب سے اہم اور واضح اختلافات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی سے متعلق تھا۔ یہ اختلاف حضرت عثمان غنی کی خلافت کے آخری زمانہ میں شروع ہوا اور ان کی شہادت کے بعد شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ کچھ حضرات حضرت علی کے طرفدار ہو گئے اور کچھ حضرت امیر معاویہ کے حضرت علی کے طرفداروں کو شیعان علی کہا گیا۔ خلافت سے متعلق یہ اختلاف بڑھتا گیا حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ کے خود اپنے بیٹے کو جانشین نامزد کرنے پر فطری طور پر بنی ہاشم کا ہر حوصلہ مند فرد رسول اللہ سے قرابت اور اپنے قبیلہ کی ماضی میں عظمت کی بنیاد پر خود کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھنے لگا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی سے متعلق استحقاق عقائد کا ایک اہم حصہ بن گیا۔ اختصار کی خاطر عوامی فکر کو صرف تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا گروہ:

جن کا یہ خیال تھا کہ یہ فرض عامہ المسلمین کا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین مقرر کریں کیونکہ نبی کریم نے اپنی نیابت کے لیے کسی شخص کو صراحتاً نامزد نہیں فرمایا تھا۔ اسی اصول کے تحت خلفائے راشدین منتخب ہوئے اور ان کے بعد بھی بیعت عامہ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ سب سے بڑا گروہ تھا۔ اس عقیدہ کے افراد آگے چل کر عباسی خلیفہ منصور و ہارون کے زمانہ میں اہل سنت والجماعت (۱۰) کہلائے اور اصول فقہ کی بنیاد پر ان میں چار مذاہب مسالک استوار ہوئے یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔

دوسرا گروہ

ان افراد پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان غنی کی خلافت کے آخری دور میں ان سے منحرف ہو گئے تھے اور ان کی شہادت کے بعد حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ میں خلافت کے مسئلہ پر اختلاف ہونے پر حضرت علی کو خلافت کا جائز حقدار سمجھتے تھے۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد کو دینی و دنیوی سربراہی کا حق دار سمجھتے تھے۔ ان کے عقائد کی بنیاد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو صراحتہ اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد میں نئی نئی چیزیں بھی داخل ہوتی جاتی تھیں لیکن یہ گروہ خود کئی چھوٹے چھوٹے فرقوں میں منقسم تھا مثلاً سبئیہ، کیسانیہ، ہشامیہ، باقریہ، غرابیہ، حسریہ/حصریہ (ان کی تفصیلات سے صرف نظر کیا جاتا ہے) اور وہ گروہ حضرت امام جعفر صادق کے بعد ''موسویہ'' کہلایا اور بارھویں امام کی غیبت کے بعد ''اثنا عشریہ کہلایا، ان کے دیگر عقائد کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

تیسرا گروہ:

اس گروہ کے افراد کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کریم نے نام لے کر کسی کو امام مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے کچھ اوصاف بتا دیے تھے جن اوصاف کا حامل حضرت علی تھے اور حضرت علی کی وفات کے بعد ہونے والے ائمہ کا اولاد فاطمہ سے ہونا ضروری ہے۔ اس گروہ کے امام حضرت زید تھے لیکن اس گروہ یعنی زیدیہ کے تفصیلی اعتقادات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دیگر اعتقادات میں پہلے گروہ سے قریب تر ہیں جبکہ دوسرے گروہ سے قربت برائے نام رہ جاتی ہے۔ اس

صورت حال کی وضاحت کے لیے ہم پہلے زیدیہ کے اہم عقائد بیان کرتے ہیں۔

زیدیہ کے عقائد (۱۱):

(1) نبی کریم نے کسی کو نام لے کر امام (اپنا جانشین) نہیں مقرر فرمایا تھا۔

(2) نبی کریم نے امام کے کچھ اوصاف بتلائے تھے جن کے حامل حضرت علی تھے۔

(3) حضرت علی کی وفات کے بعد امام کا اولاد فاطمہ سے ہونا ضروری ہے۔

(4) اپنی طرف دعوت دینا امام کا فرض ہے (اس میں حصول مقصد کے لیے خروج بھی شامل ہے یعنی امام ایسے شخص کو ہونا چاہیے کہ جو اپنا حق منوانے کی اہلیت رکھتا ہو)۔

(5) اگر عامۃ المسلمین کسی ایسے شخص کو امام چن لیں جو امام کی بعض صفات نہ رکھتا ہو اس کی بیعت کر لیں تو اس کی امامت درست اور بیعت لازم ہوگی۔ اسی بنا پر وہ خلیفہ اول و دوم کی تکفیر نہیں کرتے جنھوں نے ان سے بیعت کی تھی۔

(6) وہ ایک وقت میں الگ الگ علاقوں میں علیحدہ علیحدہ امام کے قائل ہیں اور ''افضل'' کی موجودگی میں ''مفضول'' کی امامت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امامیہ (اثنا عشریہ) کے عقائد (۱۲):

(1) حضرت علی کو اپنا جانشین خود نبی کریم نے متعین فرمایا تھا۔

(2) ائمہ کا تعین نام لے کر یا بتا کر ہوتا ہے۔ امام معصوم ہوتا ہے۔

(3) امامت من جانب اللہ ہے اور یہ علی اور اولاد علی کا حق ہے۔

(4) خلیفہ اول، دوم، سوم نے امام (حضرت علی) کا دنیاوی حکمرانی کا حق غصب کیا۔

(5) امام کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اپنا حق منوانے کے لیے جدوجہد کرے۔

(6) امام کو نبی کی طرح شریعت سازی کا حق حاصل ہے۔

(7) امامت نبوت کا تسلسل ہے۔

ہم نے زیدیہ اور اثنا عشریہ کے صرف ان عقائد کا ذکر کیا ہے جو تقابل کے لیے ضروری تھے۔ ان عقائد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام زید کے نظریہ امامت اور اثنا عشریہ کے نظریہ میں اس حد تک بعد المشرقین ہے کہ حضرت امام باقر کو یہ کہنا پڑا کہ تمہارے (زید کے) مذہب کی رو سے تو تمہارے والد (حضرت امام زین العابدین) بھی امام نہیں کیونکہ انھوں نے نہ کبھی خروج کیا اور نہ اس کے درپے ہوئے (۱۳) بلکہ ہولسٹر لکھتا ہے کہ اپنا حق منوانے کے لیے طاقت کے استعمال سے متعلق دونوں بھائیوں (حضرت امام باقر اور امام زید) میں اس قدر اختلاف تھا کہ حضرت امام باقر کو کہنا پڑا ''تم (زید) علی کے بیٹے ہو امام کے نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنا حق تسلیم کرانے کے لیے جدوجہد نہیں کی (۱۴) زید یہ اثنا

عشریہ کی طرف عصمت ائمہ کا عقیدہ بھی نہیں رکھتے۔ وہ تقیہ کے بھی قائل نہیں (۱۵) اور متعہ کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ (۱۶)

حواشی

(۱) ہولسٹر، صفحہ ۶۸، (یہ شیعی روایت معلوم ہوتی ہے)

(۲) ہولسٹر، صفحہ ۶۹

(۳) تاریخ میں کہیں ۹۲ ہے کہیں ۹۳ اور کہیں ۹۵

(۴) The Spirit of Islam Page 320

(۵) اسلامی مذاہب، صفحہ ۸۲

(۶) اسلامی مذاہب، صفحہ ۸۰

(۷) رحمۃ اللعالمین، جلد دوم، صفحہ ۱۲۱ و زید شہید، از قمر زیدی، صفحات ۱۲۰ و ۱۷۰ اور سید امیر علی کی The History of The Saracens صفحہ ۱۵۶، امیر علی نے کوفیوں کو Abandoners کہا ہے۔ تاریخ میں روافض باطنیہ بھی استعمال ہوا ہے۔

(۸)۔(۹)۔ تاریخ تفسیر و مفسرین، صفحہ ۴۸۶،

(۱۰) Spirit of Islam, Page: 314 (۱۱) اسلامی مذاہب، صفحات ۷۵ تا ۸۲

(۱۲) اسلامی مذاہب، صفحات ۸۵ تا ۸۷ و ہولسٹر، صفحات متعلقہ، ائمہ اثنا عشریہ۔

(۱۳) اسلامی مذاہب، صفحہ ۸۱ (۱۴) ہولسٹر، صفحہ ۶۸ (۱۵) ایضا، صفحہ ۵۵

(۱۶) ایضا، صفحہ ۱۸۶ نوٹ: زیدیہ کے یہاں اگرچہ امام کا اولاد فاطمہ سے ہونا ضروری ہے لیکن وہ ''افضل'' کی موجودگی میں ''مفضول'' کی امامت کو جائز قرار دیتے ہیں نیز ہر علاقہ میں علیحدہ امام ہونے کو بھی روا جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ امام کے لیے نامزدگی یا انتخاب کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ عملی پہلوان کے نظریہ کا امتیاز ہے۔

(جاری ہے)

سید شاہد زعیم فاطمی

بڑے لوگ بڑی باتیں

میاں چنوں میں جامع مسجد روڈ پر ایک گوردوارہ ہے جو تقسیم ملک کے بعد سے ایک دینی مدرسہ کی عمارت بن چکا ہے۔ اس مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد ابراہیم تھے جو تقسیم ملک سے قبل مشرقی پنجاب (انڈیا) کے ضلع لدھیانہ کے ایک معروف قصبہ جگراؤں میں رہتے تھے۔ وہاں بھی اُن کا ایک مدرسہ تھا مولانا مرحوم کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ جگراؤں میں گزرا تھا۔ ملک تقسیم ہوا تو انہوں نے پاکستان ہجرت کی اور میاں چنوں میں آباد ہو گئے۔

راقم الحروف ۵۲ھ میں میاں چنوں آیا اور وہاں ان کے فرزند ارجمند مولانا رشید احمد سے تعارف ہوا اور یہ تعارف ہم نظری اور ہم آہنگی کے باعث دوستی میں تبدیل ہو گیا۔ انہی دنوں مجھے اپنے ایک ذاتی کام کے سلسلہ میں مولانا محمد ابراہیم مرحوم کی سفارش کی ضرورت پیش آئی۔ معاملہ چونکہ پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا۔ اس لیے میاں چنوں میں کافی مدّت قیام کرنا پڑا۔ اور مولانا کی الطاف وعنایات سے بہرہ ور ہونے کا موقع میسر آیا۔

مولانا موصوف کا ایک قریبی عزیز جو وہاں کسی پرائمری سکول میں ٹیچر تھا، بڑی ہی چھچھوری طبیعت کا اور نہایت بدتمیز قسم کا شخص تھا۔ ادھر میں بھی جوانی ''چنانکہ اُفتد تو دانی'' کے مراحل سے گزر رہا تھا، کسی بات پر ہم دونوں آپس میں الجھ پڑے۔ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی لیکن بیچ بچاؤ ہو گیا مولانا نے دونوں کو سمجھا بُجھا کر الگ کر دیا لیکن ابھی اس واقع پر نصف گھنٹہ نہیں گزرا تھا کہ اس نے پھر مجھ پر آوازہ کسا اور ہم پھر آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ مولانا اس بار پھر تشریف لائے۔ ان کا وہ عزیز تو انہیں دیکھ کر بھاگ نکلا میں چونکہ مولانا کے مزاج سے واقف نہیں تھا وہیں کھڑا رہا ویسے بھی میرے نزدیک بزرگ کی مار سے ڈر کر بھاگنا بے ادبی میں شامل تھا اس لیے مولانا کے عتاب کا نشانہ مجھ اکیلے کو بننا پڑا اور مولانا نے جوتوں سے میری تواضع کی، یہ واقعہ عصر کی نماز کے بعد پیش آیا۔

میں گو مولانا کا شاگرد نہیں تھا مگر مولانا کے شاگردوں کا شاگرد ضرور رہا تھا اس لیے میں نے اسے زیادہ محسوس نہیں کیا۔ یوں بھی مولانا کا صاحبزادہ میرا بے تکلف دوست تھا۔ اس لیے میں نے اس پٹائی کو چنداں اہمیت نہ دی، نصف رات گزر چکی تھی جب میں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص میری چارپائی کے قریب کھڑا مجھے بیدار کرنے کی کوشش کر رہا ہے، آنکھ کھلی اندھیرے کا سماں تھا جگانے والے کو میں دیکھ نہیں پا رہا تھا لیکن چارپائی کے قریب زمین پر بیٹھا ہوا ایک شخص نظر آ رہا تھا میں نے چل کر پوچھا کون ہے؟ یکا یک مولانا کی دھیمی آواز اُبھری شاہ جی شام کو غصہ میں میرا ہاتھ آپ پر اُٹھ گیا تھا اس کے بعد سے کسی نماز میں لطف نہیں آیا مجھے بڑی ندامت ہے کہ میں آل رسولؐ پر ہاتھ اُٹھایا

اب میں تہجد کے لیے اُٹھا تو مجھے خیال آیا کہ پہلے آپ سے معافی مانگ لوں آپ مجھے خدا کے لیے معاف کر دیں میں نے آپ کو نیند سے بیدار کر کے اچھا نہیں کیا لیکن جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گے مجھے چین نہیں پڑے گا۔ میں نے عرض کیا حضرت! آپ میرے بزرگ اور میرے استادوں کے اُستاد ہیں میں عمر میں آپ کے بچے سے بھی چھوٹا ہوں۔ آپ مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ سے پٹنا تو میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں اور میرے دل میں تو ذرہ بھر اس واقعہ کا ملال نہیں ہے۔ وہ بولے آپ اپنی زبان سے کہہ دیں کہ میں نے معاف کر دیا اس پر میں نے رکتے جھجکتے ان کی فرمائش پوری کر دی وہ آبدیدہ ہو گئے۔ ادھر مجھ پر بھی رقت طاری ہو گئی کہ اپنے وقت کا قطب مجھ ایسے ناکارہ سے معافی کا خواستگار ہے۔

مولانا مرحوم کا انتقال ۱۷ء میں ہوا انتقال کے گیارہ ماہ بعد میاں چنوں میں بڑی زوردار بارش ہوئی۔ جس سے ان کی قبر بھی متاثر ہوئی۔ چونکہ یہ نشیبی جگہ تھی، اس لیے ان کے فرزند مولانا رشید احمد جو عالم بھی ہیں اور عامل کامل بھی انہوں نے ان کے جسم کو نسبتاً محفوظ جگہ منتقل کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ جب ان کی قبر شق کی گئی تو مرقد پر موجود بیسیوں اشخاص یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ تین سو تیس دنوں سے زیادہ وقت گزر جانے کے باوصف ان کا کفن میلا ہوا تھا۔ نہ ان کے چہرے کی آب و تاب مدہم پڑی تھی۔

مولانا محمد ابراہیم کی رنگت سُرخ و سفید تھی، چہرہ بیضوی خدوخال دلکش آئینہ حسن و جمال بڑے وضعدار اور بامروت بزرگ تھے، فیاضی ان کی طبع گرامی کا خاصہ تھی دینی غیرت وحمیت سے مالا مال تھے گو عمر بھر کبھی سیاست کے بکھیڑوں میں نہیں پڑے تھے، نہ کبھی گروہ بندی کے جھگڑوں میں الجھے بس اپنے کا کام سے کام رکھا، اور ساری زندگی درس و تدریس میں گزار دی، تاہم ساری عمر سیاست سے بے تعلق رہنے کے باوجود ختم نبوت کی ۵۳ھ کی تحریک میں جیل کی سزا بھگتی اور یہ بات بھی ان جیسے درویش منش انسان کے درجات کی بلندی کا باعث ہوگی۔ نیک نفسی کا یہ عالم تھا کہ مولانا عبدالقادر رائے پوری اگرچہ ان کے معاصر تھے مگر انہوں نے اپنے اس ہم عصر سے معیت کا تعلق قائم کرنے میں کسر شان نہیں سمجھی، نسباً ارائیں تھے، مگر حسباً ولی کامل تھے۔

شاگرد وہ حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہ کے تھے اور بیعت کا پہلا تعلق بھی انہی سے تھا۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے ان ہونہار تلامذہ میں سے تھے جو اوائل عمر ہی سے مسلک دیوبند کی ترویج و اشاعت میں بڑی خاموشی اور دلجمعی کے ساتھ مصروف ہو گئے اور زندگی بھر اس میں مگن رہے۔

ان کی دعا اور ان کے تعویز میں بڑا اثر تھا اور لوگ دُور دُور سے ان سے تعویز لینے آتے تھے۔ اور کامیاب و بامراد ہوتے تھے۔ فرماتے تھے مجھے عملیات کا شوق زمانہ طالب علمی ہی سے ہو گیا تھا۔ ایک بنگالی طالب علم

میرا ہم سبق تھا اس نے ایک روز ایک کنویں پر جہاں عورتیں پانی بھرنے آتی تھیں۔ ایک لڑکی کو عمل کے ذریعے اپنے پاس بلالیا، ہوا یہ کہ وہ لڑکی جب گھڑا اُٹھا کر واپس جانے لگی تو اس بنگالی نے ایک ٹھیکری پر کچھ پڑھ کو دم کیا اور اسے اُلٹے پاؤں کے نیچے رکھ کر کھڑا ہو گیا وہ لڑکی جاتے جاتے رُکی واپس مڑی اور اس بنگالی کے قریب آ کر بولی: بولو! تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟

مولانا فرماتے تھے طبیعت اس قسم کے سفلی علوم کی طرف تو مائل نہ ہوئی البتہ خدا کے کلام میں جو تاثیر ہے اس پر ایمان قوی ہو گیا اور اعمال قرآنی اور اذکار کے ذریعے خلقِ خدا کی خدمت کی طرف طبیعت راغب ہو گئی۔ اور اب یہ حالت ہے کہ صبح سے بیٹھتا ہوں تو شام تک ہجوم خلق سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔

۲۴ء میں سفر ہندوستان کے دروان گھومتا پھرتا مدھیہ پردیش (سی پی) کے دارالحکومت بھوپال جا پہنچا۔ یہیں ندوۃ العلماء لکھنو کے سابق مہتمم مولانا محمد عمران ندوی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

بھوپال کسی زمانہ میں اہل علم کی آماجگاہ اور ارباب فضل کی پناہ گاہ تھی یہاں پر زیادہ آبادی پٹھانوں کی تھی اور مولانا محمد عمران کا تعلق اسی برادری سے ہے گورے چٹے وجیہ وشکیل اور بھاری بھرکم۔

گو مولانا سے میرا سابقہ تعارف مطلق نہیں تھا مگر وہ بڑی اپنائیت سے ملے اور میں ان کے حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوا اور دو دن تک ان کی خوشگوار صحبت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

پہلے ہی روز مغرب کی نماز کے بعد میں نے ان سے کسی روزنامہ کا مطالبہ کیا انہوں نے فرمایا اردو اخبار تو یہاں آس پاس کہیں ملے گا نہیں، انگریزی اخبار کہو تو لا دوں میں نے انگریزی اخبار بھی غنیمت جانا اور عرض کیا وہی منگوا دیں۔ مسجد سے متصل مولانا عمران کے مکان کی محاذات میں ایک گلی کے اندر ایک وکیل صاحب کا مکان تھا۔ وہاں سے مولانا خود ہی اخبار لینے چلے گئے۔ اخبار لے کر آئے مگر کس حال میں پاجامہ جگہ جگہ سے نُچا ہوا اخبار کے پرزے اڑے ہوئے ٹانگ سے خون بہہ رہا ہے میں ان کی یہ ہیئت کذائی دیکھ کر گھبرا گیا فرمانے لگے۔

گلی میں کوئی باؤلا کتا گھس آیا تھا جو اچانک مجھ پر جھپٹ پڑا اور مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

مجھے بڑی خفت محسوس ہو رہی تھی کہ میری وجہ سے ان کو یہ زحمت اُٹھانی پڑی میں نے ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا تو وہ اُلٹا مجھ سے معذرت کرنے لگے کہ اخبار صحیح سالم شکل میں نہیں مل سکا۔

ان کے بڑے لڑکے حبیب ریحان جو ندوۃ العلماء لکھنو اور ازہر یونیورسٹی مصر کے فارغ التحصیل ہیں اور لیبیا یونیورسٹی میں عربی ادب کے پروفیسر ہیں وہ بھی ان دنوں لیبیا سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں والد کی یہ حالت دیکھ کر بڑی تشویش تھی اور وہ چاہتے تھے کہ انہیں ہسپتال لے جائیں اور وہاں باؤلے کُتے کے کاٹے کا باقاعدہ علاج کرائیں

مگر میں نے دیکھا تکلیف کے باوجود مولانا ہسپتال جانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا:

اگر کہیں سے عجوہ (کھجور کی ایک قسم جو مدینہ منورہ میں پائی جاتی ہے) دستیاب ہو جائے تو اس کا استعمال ہر اس مرض کا بہترین علاج ہے۔ کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اس کھجور کو مقررہ تعداد میں چند روز کھائے اس پر کوئی زہر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر بعض حاجیوں کے گھروں سے عجوہ کی مطلوبہ مقدار حاصل ہو گئی اور وہ یوں مطمئن نظر آنے لگے جیسے اس زہر کا تریاق انہیں مل گیا ہو۔

فرمودۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایمان واذعان مادیت کے اس الحاد پرپرور دور میں صرف ان خوش نصیب لوگوں کا مقدر ہے جو اسلام کی ازلی وابدی صداقتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں اور جن کے نزدیک اسلام ایک مذہب وملت کی بجائے عین تقاضائے فطرت بن چکا ہے۔

''تاج المساجد بھوپال وسطی ہند کی عظیم الشان مساجد میں سے ہے اور اس کا تالاب بلا مبالغہ برصغیر کی تمام مساجد سے بڑا ہوگا۔ آج کل مولانا اس مسجد کے مدار المہام اور خطیب ہیں اس مسجد وسیع وعریض سے ملحق ایک مدرسہ بھی ہے اس مدرسہ کے مہتمم بھی مولانا موصوف ہیں اور اس کی گراں بہا اور بیش قیمت لائبریری کے نگراں بھی۔

مولانا عمران ندوی تبلیغی جماعت سے منسلک ہیں مگر ان میں تبلیغی جماعت والوں کی سی ایک رنگی اور بے رُخی نہیں پائی جاتی وہ تبلیغی جماعت کے لکھنوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے طبعاً ان میں شگفتگی ہے یوں بھی علم وفضل میں جو شخص ممتاز الامثال ہو اس کے ہاں ملائیت کی خشکی کا گزر ممکن نہیں۔

تبلیغی جماعت کے لکھنوی مکتبہ فکر کے تذکرہ سے یاد آیا کہ جس طرح شاعری میں دہلی اور لکھنو کے مکاتیب فکر میں اختلاف ہے ویسا ہی لطیف فرق ان دونوں کے مذہبی احساسات میں بھی کارفرما ہے۔

دہلی کی تبلیغی جماعت سیاست کو شجر ممنوعہ قرار دیتی ہے جب کہ لکھنو کی تبلیغی جماعت سیاست کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتی ہے۔ دونوں کے لب ولہجہ اور اسلوب بیان میں بھی فرق واضح ہے۔ ایک ابہام کا شکار ہے دوسری زبان کے چٹخارے پر جان دیتی ہے۔

۴۴ء میں آوارہ گردی کرتا ہوا سہانپور سے سولہ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹے سے گاؤں رائے پور جا پہنچا۔ جہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ اجل مولانا عبدالرحیم رائے پوری کی خانقاہ ہے اور جہاں ان کے سجادہ نشین مولانا عبدالقادر رائے پوری اپنے پیر کی روایات طریقت کو بڑی آب وتاب سے قائم رکھے ہوئے تھے۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں ایک صاحب مولوی حبیب الرحمان فرید کوٹی بھی موجود تھے۔ یہ بزرگ نومسلم

تھے مہاراجہ فرید کوٹ چچازاد بھائی توفیق الٰہی کی دستگیری شامل حال ہوئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے میں نے جب انہیں رائے پور میں دیکھا تو وہ قوت سماعت سے یکسر محروم تھے۔ان کے گلے میں سٹیتھوسکوپ کی قسم کا ایک آلہ لٹکا رہتا تھا۔ابھی جدید قسم کے آلہ ہائے سماعت ایجاد نہیں ہوئے تھے یا کم از کم ہندوستان میں ان کا رواج نہیں تھا۔اس سٹیتھو سکوپ قسم کے آلہ کے آگے مائیکروفون کی طرح کا ایک آلہ نصب تھا۔جب کوئی شخص اُن سے بات کرتا تو وہ یہ آلہ کان سے لگا لیتے اور وہ مائیکروفون بولنے والے کے منہ کے سامنے کر دیتے لیکن اس میں بھی جب تک چلا کر بات نہ کی جاتی ان کے پلے کچھ نہ پڑتا۔میں نے زندگی میں پہلی بار ایسا بہرہ دیکھا تھا جس کے پاس ایسا آلہ موجود تھا۔

۵۳ء میں مولانا رائے پوری لائل پور تشریف لائے اور مولوی محمد لائل پوری کے ہاں ٹھہرے تو وہاں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی،مولانا مودودی کی ذات زیر بحث تھی،وہ اپنے پیرومرشد کی مانند اس معاملہ میں زیادہ سخت تو نہ تھے تاہم اعتدال پسندی کے باوجود مولانا مودودی سے شاکی ضرور تھے۔

باتوں باتوں میں اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ صاحب جو آٹھ نو برس پہلے تک بالکل بہرے تھے آج بغیر کسی آلے کے بات چیت سن رہے ہیں مجھے بڑا تعجب ہوا میں نے عرض کیا آپ تو اونچا بھی کم سُنتے تھے اور اب آپ بالکل نارمل معلوم ہو رہے ہیں۔یہ تبدیلی کیسے رونما ہوئی اور آپ کو کس نسخہ سے شفا ملی،اس پر مولانا موصوف نے جو کچھ بتایا وہ نہ صرف حیرت انگیز تھا بلکہ ایمان افروز بھی،انہوں نے فرمایا:

''دو برس پہلے کی بات ہے،میں بستی نظام الدین میں تبلیغی جماعت کے مرکز میں ٹھہرا ہوا تھا،صبح کو دلی آنے کا پروگرام تھا،میں بجائے بس میں بیٹھنے کے پیدل ہی چل پڑا۔راستے میں خواجہ میر درد روڈ کے قریب جب پہنچا تو خیال آیا کہ مہندیاں کے قبرستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مزار پر حاضری دیتا چلوں وہاں پہنچ کر فاتحہ پڑھی اور دعا کی کہ:

خدایا!اگر یہ تیرا نیک اور مقبول بارگاہ بندہ ہے تو اس سے صدقے میں میری قوت سماعت بحال کر دے۔

قبولیت دعا کی گھڑی تھی فوراً ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری سماعت بحال ہو چکی ہے خواجہ میر درد روڈ جو شاہ صاحب کے مزار سے تقریباً ایک فرلانگ کی مسافت پر ہے مجھے وہاں سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور اب میں معمولی سے معمولی آواز بڑی آسانی سے سن لیتا ہوں۔

سفر ہندوستان کے دوران مجھے بھی ایک روز بستی نظام الدین میں رات گزارنی پڑی اور صبح اُٹھ کر پیدل ہی شہر کی جانب چل دیا۔راستے میں ہندوؤں کے قدیم ترین پانچ ہزار سالہ مندر کے عین بالمقابل خواجہ بیدل اور ان کے مرشد کا مزار ہے۔عبدالقادر بیدل فارسی کا مشہور شاعر ہے میں نے ان کے مزار پر انہی کا ایک شعر اس قدر بلند آواز

میں پڑھا کہ ساتھ ہی سڑک پر سے گزرنے والے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو گئے اور جھانکنے لگے کہ یہ کون شوریدہ سر ہے جو اس قدر چیخ چیخ کر شعر پڑھ رہا ہے وہ شعر یہ تھا:

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنج خمار ما

چہ قیامتی کہ نہ می رسی ز کنارِ ما بہ کنارِ ما

اس کے بعد مقبرہ ہمایوں سے گزر کر اور دہلی کے قدیم قلعہ پر نظر ڈالتا ہوا فیڈرل کورٹ کی عمارت کے شکوہ کا جائزہ لیتا ہوا۔ خواجہ میر درد روڈ کے سرے پر پہنچ گیا۔ یہاں ایک شاندار عمارت ابوالکلام آزاد میڈیکل کالج کی ہے۔ اس کے تقریباً عقب مہندیاں کا قبرستان ہے۔ وہاں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ان کے والد بزرگوار اور ان کے چاروں صاحبزادگان کی قبریں ہیں اور ان قبروں کے شمال میں دور آخریں کے اس مجاہد بے بدل کی آخری آرام گاہ ہے جو شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی روایات عزیمت و جہاد کا امین تھا۔ میری مُراد قصص القرآن اور اسلام کا اقتصادی نظام کے مصنف اور جنگ آزادی کے عظیم رہنما مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی نوراللہ مرقدہٗ سے ہے۔

میں جب شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مزار پر حاضر ہوا تو یکا یک میرے ذہن میں مولانا حبیب الرحمان فرید کوٹی کا وہ واقعہ تازہ ہو گیا جب صاحب مزار کے توسط سے ان کا قفل سماعت کا عارضہ دور ہو گیا تھا۔

مجھے ہندوستان میں غیر قانونی طور پر رہتے ہوئے ایک برس سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اور اگرچہ میں نے اپنا ایک ٹھکانہ متعین کر لیا تھا اور لوگوں کو اپنا مسکن وہی بتاتا تھا تاہم ایک انجانا خطرہ اپنے اردگرد منڈلاتا ہوا محسوس کرتا اور اکثر سوچا کرتا تھا کہ اگر کہیں یہاں پاکستان کا جاسوس سمجھ کر دھر لیا گیا تو جو حشر ہوگا وہ محتاج بیان نہیں چنانچہ موقع کو غنیمت جان کر میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد بالکل انہی لفظوں میں جو مولانا حبیب الرحمان ک فرید کوٹی نے دعا کے وقت کہے تھے میں نے بھی دعا کی کہ:.

خدایا اگر تیرا مقبول بارگاہ بندہ ہے تو اس کے صدقہ میں میری واپسی کی کوئی سبیل پیدا فرما دے۔

قبولیت دعا کے یقین سے سرشار ہو کر باہر نکلا دن بھر دِلی کی گلیوں میں گھومتا رہا مغرب کی نماز فتح پوری مسجد میں ادا کی اور وہیں لیٹ گیا نمازی جا چکے تھے صرف مفتی مظہر اللہ صاحب امام فتح پوری مسجد کے صاحبزادے مولوی محمد احمد صاحب اوراد و وظائف میں مشغول تھے لیٹے لیٹے میں نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی کچھ دیر کے بعد جب خاموش ہوا تو دیکھا حافظ محمد احمد اور ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سعید میرے سرہانے کھڑے ہیں ان حضرت پہلے سے کچھ شناسائی نہ تھی۔ تلاوت قرآن کریم کی برکت سے اُن سے تعارف ہوا اور یہ تعارف ہی میرے ہندوستان سے واپس پہنچنے کا سبب بنا آپ حیران ہوں گے کہ اس واقعہ کے تیسرے روز میں پاکستان پہنچ چکا تھا۔

ایک اجنبی ملک میں جہاں نہ کوئی یار تھا نہ آشنا جہاں نہ کوئی رشتہ دار تھا نہ عزیز فوری طور پر ایسے اسباب کا مہیا ہوجانا ایک معجزہ سے کم نہ تھا اور مجھے یقین ہے کہ یہ اس دعا کی تاثیر تھی جو حجۃ الاسلام الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مزار پران کے توسط توسل سے مانگی گئی تھی۔

مشرقی پنجاب (انڈیا) کے ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر میں نکودر شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر ایک بہت پُرانا قصبہ مہت پورہ (مہد پور) ہے اس قصبہ میں سید حسن رسول نما دہلویؒ کی اولاد میں سے ایک خاندان آباد تھا۔ اس گھرانہ کے ایک نامور بزرگ حکیم فضل محمد جالندھری نوراللہ مرقدہٗ تھے جن کا انتقال ۱۹۴۴ء میں ہوا۔

حکیم صاحب موصوف کے والد ماجد ۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور شہادت پائی ان کے چچا مولانا چراغ شاہؒ صاحب بھی اپنے دور کے نامور پیر طریقت اور زبردست واعظ تھے۔

حکیم فضل محمد صاحب پیشہ کے اعتبار سے طبیب تھے اور حکیم اجمل خان مرحوم کے ہم درس رہے تھے۔ حکیم فضل محمد صاحب مرحوم نے دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی وہ اس شہرہ آفاق درس گاہ کے اولین تلامذہ میں سے تھے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہم سبق اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد رشید تھے۔ مگر وہ مسلکاً دیوبندی نہیں تھے۔ ان کا مشرب عشق ومحبت رسولؐ کا یہ عالم دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم گرامی سنتے ہی ان پر رقت طاری ہوجاتی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پاسکتے تھے اور زاروقطار رونے لگتے تھے۔

حکیم صاحب مرحوم بالا بلند کشیدہ قامت اور وجیہ وشکیل باوقار اور پر رعب شخصیت کے حامل تھے، رنگ گندمی تھا، ڈاڑھی گھنی اور سر پر پٹھے تھے، ہاتھ میں قد آدم عصا رکھتے۔ سر پر روایتی عرب عالموں کی سی پگڑی باندھتے طبیعت میں جلال تھا خلاف شرع امور کو سختی سے ناپسند فرماتے اور اس میں اولاد تک کی بھی رورعایت نہیں کرتے تھے۔ نہایت فیاض درجہ مہمان نواز ایثار پیشہ وضعدار بزرگ تھے۔ ان کا حلقہ ارادت بڑا وسیع تھا مگر انہوں نے پیری مریدی کی پیشہ نہیں بنایا تھا۔ وہ راجوں مہاراجوں اور نوابوں کے شاہی طبیب تھے اور بافراغت زندگی بسر کرتے تھے۔

عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے مقام کی عظمت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ۶۵ برس کی عمر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ یہ حملہ اس قدر زوردار تھا کہ ان کے متعلقین اور اطباء ان کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ ان پر غشی کی کیفیت طاری تھی اور تیمارداروں کو یقین ہوگیا تھا کہ ان کے چل چلاؤ کا وقت قریب آپہنچا ہے کہ اچانک رات کے تیسرے پہر ان کے بیہوش وجود میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اسی عالم میں چلائے۔ یا حضرت میرا پاؤں ہے ان کے عزہ ولواحقین جو ان کے اردگرد جمع تھے ابھی اس جملہ پر حیرت واستعجاب کے عالم میں تھے کہ حکیم

صاحب نے اپنی مفلوج ٹانگ کو بڑی تیزی سے سمیٹا اور فوراً ہی یوں بھلے چنگے ہو کر اُٹھ بیٹھے جیسے کبھی بیمار نہ پڑے ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ ابھی ابھی خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور اپنا دست مبارک میرے جسم کے فالج زدہ حصے پر پھیرا اور جب حضورؐ کا دست مبارک میرے پاؤں کے قریب پہنچا تو میں نے فرط ادب سے پاؤں سمیٹ لیا۔ چنانچہ پاؤں میں خفیف سا لنگ عمر بھر موجود رہا۔ اور وہ اس واقعہ کے بعد تقریباً تیس برس تک صحت و عافیت کے ساتھ زندہ و سلامت رہے۔ اس واقعہ کے چشم دید گواہ آج بھی زندہ موجود ہیں اور حضور سرور کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تصرّفِ باطنی کے عینی شاہد ہیں۔

فارسی کے مشہور شاعر گرامی نے ان کی شان میں کہا تھا:

زمہد تا بہ لحد عاشقِ رسولؐ کریم
حکیم فضل محمد ، حکیم ابن حکیم

اور یہ بھی گرامی ہی کا شعر ہے جو حکیم صاحب مرحوم کی جلالت شان کو خراج عقیدت و تحسین ہے:

خواہی اگر نجات بیا برود رسولؐ
فضل خدا بہ فضل محمد شود حصول

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

شیخ راحیل احمد مرحوم (سابق قادیانی) (آخری قسط)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا قادیانی کا نظریہ

مرزا غلام احمد قادیانی کی بدزبانیاں:

(۱).....مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ ''ہاں آپ کو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ناقل) گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی''۔ (ضمیمہ انجام آتھم، رخ جلد ۱۱، صفحہ ۲۸۹)

آگے ایک جگہ مرزا قادیانی کتنی اچھی بات لکھتا ہے۔ میری طرح یقیناً آپ بھی مرزا قادیانی کی اس بات کی تائید کریں گے۔ لکھتا ہے کہ ''ناحق گالیاں دینا سفلوں اور کمینوں کا کام ہے''۔ (ست بچن، رخ جلد ۱۰، صفحہ ۱۳۳)

لیکن مرزا قادیانی کے ان ارشادات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ ''اور لیکھوں میں سے ایک فاسق آدمی کو دیکھتا ہوں کہ ایک شیطان ملعون ہے۔ سفیہوں کا نطفہ، بدگو ہے اور خبیث اور مفسد اور جھوٹ کو ملمع کر کے دکھانے والا منحوس ہے جس کا نام جاہلوں نے سعد اللہ رکھا ہے''۔ (تتمہ حقیقت الوحی، رخ جلد ۲۲، صفحہ ۴۴۵)

اب میں اس پر کیا تبصرہ کروں؟ ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔ میں صرف ایک آدھا بطور نمونہ دے رہا ہوں۔

(۲).....حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ ''یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) درحقیقت بوجہ بیماری مرگی دیوانہ ہو گیا تھا''۔ ست بچن، رخ جلد ۱۰، صفحہ ۲۹۵)

آیئے دیکھیں مرگی کو ہسٹیریا بھی کہتے ہیں۔ اس کا کوئی مرزا قادیانی کی زندگی میں بھی رول ہے؟ ذرا دل تھام کر مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد، ایم اے اپنی مرتب کردہ کتاب سیرت المہدی میں مرزا قادیانی کے سالے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ''ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹیریا ہے۔ بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے''۔ (سیرت المہدی، جلد ۲ صفحہ ۵۵)

(۳).....مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے کہ ''یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی عادت بھی تھی''۔ (ضمیمہ انجام آتھم، رخ جلد ۱۱، صفحہ ۲۸۹)

مرزا غلام احمد قادیانی کے نشانات:

اب میں مرزا قادیانی کا ''سچ'' پیش کرتا ہوں۔ اپنے نشانات کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ پڑھئے اور سر دھنئے ''اگر اس طرح سے ہم حساب کریں تو نشانات پچاس لاکھ تک پہنچتے ہیں''۔ (ملفوظات، جلد ۴، صفحہ ۲۴۳)

ان پچاس لاکھ نشانوں کو اگر ہم مرزا قادیانی کی پیدائش کے لمحے سے لے کر وفات کے لمحے تک اس (مرزا قادیانی) کی زندگی پر تقسیم کریں تو ہر ساڑھے سات منٹ پر ایک نشان ظاہر ہوتا ہے۔ گویا خود تو پیدا ہوئے ہی تھے

ساتھ ساتھ نشانات بھی پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ اتنی جلد جلد تو بکٹیریا بھی پیدا نہیں ہوتے جتنی تیزی سے مرزا قادیانی کے نشانات پیدا ہوئے۔

(۴)......مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے بارے میں کہتا ہے کہ ''ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشگوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں''۔ (اعجاز احمدی/رخ جلد ۱۹/صفحہ ۱۲۱)

مرزا قادیانی پہلے اپنے ماتم سے تو فارغ ہو لیں۔ کیونکہ مرزا قادیانی کی بھی تو بہت سے ساری پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ ان میں چار تو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (اول، عبداللہ آتھم والی۔ دوم عبدالحکیم والی۔ سوم، مولوی ثناء اللہ صاحب والی۔ چہارم محمدی بیگم والی۔

(۵)......مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر خیال آرائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ (یسوع مسیح) نے پہاڑی تعلیم جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے۔ یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا یہ میری تعلیم ہے۔ لیکن جب سے یہ چوری پکڑی گئی ہے عیسائی بہت شرمندہ ہیں''۔

(ضمیمہ انجام آتھم/رخ جلد ۱۱/۲۹۰)

لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کو اس (مرزا قادیانی) نے اپنا الہام قرار دے دیا ہے۔ ان میں سے مثال کے طور پر دو آیات:

(۱) **وما ارسلناک الا رحمتہ اللعالمین**''۔ (تذکرہ طبع چہارم/صفحہ ۶۴)

(۲) **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق**''۔ (تذکرہ طبع سوم/صفحہ ۴۵)

کئی دہائیاں گزر گئیں ان آیات اور دوسری آیات کی چوری پکڑے ہوئے۔ لیکن آفرین ہے قادیانیوں کی ڈھٹائی پر کہ شرمندہ تو دور کی بات ہے کہیں شرمندگی کی معمولی سی جھلک کے آثار بھی نہیں۔ اگر کسی صحیح نبی کے پیروکار ہوتے تو شرم محسوس کرتے؟

(۶)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اخلاقی تعلیم کے ذکر میں مرزا قادیانی کہتا ہے کہ ''پھر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا''۔ (چشمہ مسیحی/رخ جلد ۲۰/صفحہ ۳۴۶)

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی ایک نظم میں لکھتا ہے کہ:

گالیاں سن کر تم دعا دو
پا کے دکھ تم آرام دو
(درثمین اردو/صفحہ ۳۶)

اور اس کا بیٹا مرزا محمود اپنی ایک نظم میں کہتا ہے کہ!

چھوڑ دو رنج و عداوت ترک کر دو بغض و کیں

پیار والفت کو کرو تم جان و دل سے اختیار

(کلام محمود حصہ اول رصفحہ ۶۰)

مرزا غلام احمد قادیانی کی تعلیم:

کتنی اچھی تعلیم ہے۔ آیئے دیکھیں کہ نمونہ بھی اتنا ہی اچھا ہے؟ مرزا قادیانی پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے بارے میں ''اپنے پیار کے جذبات'' کا اظہار ایسے کرتا ہے کہ!

''مجھے ایک کتاب کذاب کی طرف سے پہنچی ہے وہ خبیث کتاب اور بچھو کی طرح نیش زن، پس میں نے کہا اے گولڑہ کی زمین تجھ پر خدا کی لعنت ہو تو ملعون کے سبب ملعون ہوگئی۔ پس تو قیامت کو ہلاکت میں پڑے گی''۔

(اعجاز احمدی رروخ جلد ۱۹ رصفحہ ۱۸۸)

اب دیکھیں کہ کیا اخلاق ہے پیر صاحب کو تو جو کہا یا نہ کہا بعد کی بات۔ مگر اس گولڑہ کی زمین کا کیا قصور ہے کہ مرزا قادیانی اس پر بھی غضب نازل کر رہا ہے اور وہ بھی تا قیامت؟

(۷).....مرزا قادیانی اپنی اعتراضات کی تلوار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پیشگوئیوں پر چلاتے ہوئے کہتا ہے کہ ''اس درماندہ انسان کی پیشگوئیاں کیا تھیں۔ صرف یہی کہ زلزلہ آئیں گے، قحط پڑیں گے، لڑائیاں ہوں گی''۔ پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی کیوں نام رکھا''۔ (ضمیمہ انجام آتھم رصفحہ ۴ رروخ جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۸)

مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشگوئیاں:

مرزا قادیانی کی پیشگوئیاں اور الہاموں اور وحیوں پر مشتمل کتاب کا نام تذکرہ ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن آٹھ سو چالیس صفحات اور ''چار سو بیس'' اوراق پر مشتمل ہے۔ اس میں بے شمار زلزلوں اور تباہیوں کی گول مول خبریں دی ہیں۔ ان میں سے چند ایک بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

(۱).....رویا میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے ''زلزلہ کا ایک دھکا''۔ (تذکرہ رصفحہ ۵۰۸)

(۲).....''زلزلہ کا دھکا'' (اشتہار ۱۸، اپریل ۱۹۰۵ تذکرہ رصفحہ ۵۱۷

(۳).....''رویا دیکھا کہ زلزلہ آیا ہے'' (تذکرہ رصفحہ ۵۴۲)

(۴).....''زمین تہ و بالا کر دی''۔ (تذکرہ رصفحہ ۵۴۵)

(۵).....''لنگر اٹھا دو''۔ (تذکرہ رصفحہ ۵۴۵)

(۶).....الہام ہوا ''اس پر آفت پڑی''۔ (تذکرہ رصفحہ ۵۵۱)

(۷) ''وحی ہوئی ''زندگیوں کا خاتمہ''۔ (تذکرہ رصفحہ ۵۷۱)

(۸).....''کمبل میں لپیٹ کر صبح قبر میں رکھ دو''۔ (تذکرہ رصفحہ ۵۷۱)

(۹).....کشتیاں چلتی ہیں تو ہوں کشتیاں''۔ (تذکرہ رصفحہ ۶۰۷)

(۱۰).....آفتوں اور مصیبتوں کے دن'' (تذکرہ رصفحہ ۲۱۲)

(۱۱).....''لاکھوں انسانوں کو تہ و بالا کر دوں گا''۔(تذکرہ رصفحہ ۷۰۴)

(۱۲).....''میرا دشمن ہلاک ہو گیا'' (تذکرہ رصفحہ ۷۰۵)

(۱۳).....''ایک وبا پڑے گی''۔(تذکرہ رصفحہ ۷۰۴)

(۱۴).....''راز کھل گیا''۔(تذکرہ رصفحہ ۷۰۹)

(۱۵).....''فلاں کو پکڑو اور فلاں کو چھوڑ دو''۔(تذکرہ رصفحہ ۷۱۰)

(۱۶).....''ایک اور قیامت برپا ہو گی''۔(تذکرہ رصفحہ ۷۱۰)

(۱۷).....یہ دو گھر ہی مر گئے''۔(تذکرہ رصفحہ ۷۱۲)

(۱۸).....''زلزلہ آنے کو ہے، ہمارے لیے عید کا دن''۔(۹ مارچ ۱۹۰۶ء تذکرہ رصفحہ ۵۹۲)

(۱۹).....''اے بسا خانہ دشمن کہ توں ویراں کردی''۔حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے دشمنوں کے گھر ویران کئے'' (تذکرہ رصفحہ ۷۱۴)

نوٹ: اس کے علاوہ بھی دو چار نمونے الہامات کے پیش کرتا ہوں!

(۲۰).....''ایک دانہ کس کس نے کھانا''۔(تذکرہ رصفحہ ۵۸۸)

(۲۱).....الہام ہوا ''اے ورڈ اینڈ ٹو گرلز''۔(تذکرہ رصفحہ ۵۸۶)

(۲۲).....''دیکھو اے میرے دوستو! اخبار شائع ہو گیا ہے''۔(تذکرہ رصفحہ ۵۸۹)

(۲۳).....''ایک ارادت مند لدھیانہ میں ہے''۔پھر اس کے مکان کا پتہ مجھے بتلایا گیا اور نام بھی بتایا گیا جو مجھے یاد نہیں'' (تذکرہ رصفحہ ۵۹)

ایسے اور بے شمار نمونے مرزا قادیانی کی کتابوں میں آپ کو ملیں گے۔اے ہوشیار مذہبی دکاندار کی اولاد اور تم لوگ اب کس منہ سے یہ سودا بیچ رہے ہو؟

مرزا غلام احمد قادیانی کی شرافت:

(۸).....مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی (نعوذ باللہ) صفات محمودہ کا بیان تو ایسے کیا ہے کہ ذاتی تجربہ کے باوجود شرفاء کسی کے بارے میں ایسی بات نہیں کہتے، پڑھئے مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ!

اور رجولیت انسان کی صفات محمودہ ہیں۔ہیجڑہ ہونا کوئی اچھی صفت نہیں۔جیسے بہرا اور گونگا ہونا کسی خوبی میں داخل نہیں۔ہاں یہ اعتراض بہت بڑا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مردانہ صفات کی اعلیٰ ترین صفت سے بے نصیب محض ہونے کے باعث ازواج سے سچی اور کامل حسن معاشرت کا کوئی نمونہ نہ دے سکے''۔(نور القرآن رروخ جلد ۹ رصفحہ ۳۹۲)

اب ہم ذرا مرزا قادیانی کی اپنی زندگی میں جھانکتے ہیں۔ مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم اے اپنی والدہ کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ!

''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کو اوائل سے ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے جن کو لوگ عام طور پر پھجے دی ماں'' کہا کرتے تھے بے تعلقی سی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور ان کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھیں۔ اس لیے حضرت مسیح موعود نے ان سے مباشرت ترک کر دی تھی۔ (سیرت المہدی، جلد اول، صفحہ ۳۳، مصنف مرزا بشیر احمد ایم اے)

یاد رہے کہ مرزا قادیانی کی شادی پھجے کی ماں سے تقریباً ۱۸۵۵ء میں ہوئی تھی اور مرزا بشیر کی والدہ (نصرت جہاں) سے ۱۸۸۴ء میں ہوئی تھی۔ مرزا فضل احمد تقریباً ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد دوسری شادی تک ۲۴ سال کوئی بچہ نہیں ہوا۔ وجہ کوئی بھی ہو، مگر کیا ۲۴ سال تک اپنی بیوی سے بے رغبتی نبیوں کا کام ہے؟ ایک عورت کو اگر سزا ہی دینی ہے تو کیا اتنی لمبی سزا جائز ہے؟ کیا ازواج سے سچی اور کامل معاشرت کا نمونہ یہی ہے؟ جب آپ ایک لمبا عرصہ بیوی کے حقوق پورے نہیں کریں گے تو وہ کس کس رنگ میں رنگین نہیں ہوگی؟ لیکن اب دیکھیں کہ مرزا قادیانی نے دین سے بے رغبتی کے باعث ''مباشرت ترک کی تھی'' یا کوئی اور وجہ تھی؟ مذہب سے بے رغبتی تو بہانہ تھا۔ اصل وجہ مرزا قادیانی خود بیان کرتا ہے کہ!

''ایک ابتلا مجھ کو اس شادی کے وقت یہ پیش آیا کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابطیس اور درد سر مع دوران سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں۔ جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا۔ اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی''۔ (تریاق القلوب، رخ جلد ۱۵، صفحہ ۲۰۳)

لیکن یہیں پر بس نہیں کرتا بلکہ بقول خود قوت مردمی کالعدم ہونے کے باوجود اس نے نصرت جہاں بیگم سے دوسری شادی کی اور مرزا قادیانی کے اپنے کہنے کے مطابق کئی ماہ تک اپنے کو عورت کے قابل نہیں محسوس کرتا تھا۔ کہتا ہے کہ! ''جب میں نے شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔ آخر میں نے صبر کیا''۔

(مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم، حصہ دوم، صفحہ ۲۱، خط نمبر ۱۴)

قادیانیوں سے سوال:

اگر آپ ایک غیرتمند مرد ہیں تو آپ سوچیں کہ کسی بھی وجہ سے اگر ایسی حالت ہوتی ہے تو کیا آپ ان حالات میں پہلے شادی کریں گے۔ یا پہلے علاج کروانے کے بعد شادی کریں گے؟ اگر ماں یا باپ ہیں ایک بیٹی کے تو ایسی بیماریوں اور کالعدم قوت مردمی کے حامل کسی مرد کو اپنی بیٹی بیاہیں گے؟ اگر کوئی ایسا رشتہ آئے گا تو کیا آپ ایسے رشتہ کے بارے میں سننے کے بھی روادار ہوں گے؟ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی واضح ہدایت کے مطابق کہ ایسے مواقع پر قول سدید سے کام لو اور ان کو اپنے ایسے حالات کھول کر بتاؤ۔ جن سے آئندہ زندگی میں کوئی فساد نہ بن سکے۔ اپنی ایسی حالت (کالعدم قوت مردمی) کا لڑکی کے والدین کو بتایا تھا؟ اسلام کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ انسان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم ہے اور حقوق العباد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کیا مرزا قادیانی نے جبکہ پہلی بیوی کے حقوق ہی نہ ادا کر رہا تھا ایسی حالت میں ایک اور شادی کرے زوجہ کے حقوق اور حقوق العباد کی خلاف ورزی نہیں کی؟ پھر قابل غور فقرہ کہ ''میں نے صبر کیا'' ان دو عورتوں نے جس طرح خاموشی سے اس ظلم کو برداشت کیا ان کے حقوق میں کوئی کلمہ خیر نہیں۔

حقوق انسانی اور مرزا غلام احمد قادیانی؛

کیا اتنی واضح انسانی حقوق کی پامالی کے بعد کوئی ولی تو چھوڑ نیک آدمی بھی کہلا سکتا ہے۔ کجا کہ دعویٰ نبوت ہو؟ اور خود اس صفات محمودہ سے بے بہرہ ہونے کے باوجود کس طرح اپنے نبی پر اپنی زبان طعن دراز کر رہا ہے؟

احمدی کہلانے والا و! آنکھیں کھولو! کس کو نبی مان رہے ہو؟ جو اپنے اہل بیت کے بھی حقوق ادا کرنے پر قادر نہیں؟ تمہارے کون سے حقوق ادا کرے گا؟ جو زندگی کے انتہائی اہم موڑ پر قول سدید کو چھپاتا ہے تمہاری کون سے نیک کام میں رہنمائی کر سکتا ہے؟ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انتہائی اہم حدیث سے آنکھیں بند کر کے کہ ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اس کے گھر والوں سے بہتر ہے۔ صرف اپنے نفس کی تسکین کے لیے ہر چیز کو چھپاتے ہوئے ایک کنواری سے شادی کرتا ہے۔ مگر اس کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں تو وہ تمہیں کیسے سیرت اور تعلیم نبوی کی صحیح راہ دکھا سکتا ہے؟

(۹).....مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتنا کچھ کہنے کے باوجود بھی مطمئن نہیں ہوا اور آخر ایک فقرے میں اپنا سارا بغض منتقل کرتا ہوا لکھتا ہے کہ!

''کاش ایسا شخص دنیا میں آیا نہ ہوتا'' (نور القرآن نمبر ۲ / رخ جلد ۹ / صفحہ ۴۱۷)

مرزا قادیانی کو زندگی میں کم از کم ایک سچا الہام بھی ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''وہ کام جو تم نے کیا خدا کی مرضی کے موافق نہیں ہوگا۔ (آگے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس کی تصریح کی گئی (تذکرہ / صفحہ ۶۵۶، ۶۵۷ / طبع دوم مطبوعہ ۱۹۵۶ء)

اب جس کو خدا خود کہہ رہا ہے کہ تمہارا کام میری مرضی کے موافق نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے کام اور بات پر زور دے رہا ہے تو ایسے شخص کے لیے یقیناً آپ بے اختیار کہہ اٹھیں گے کہ..... کاش ایسا شخص دنیا میں نہ آیا ہوتا۔

ایسے اور بے شمار فضول قسم کے اعتراضات مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر کئے ہیں۔

☆.....☆.....☆

اخبارُالاحرار

قائداحرار سید محمد کفیل بخاری کا دورہ چکوال، راولپنڈی، اسلام آباد، تلہ گنگ، چکڑالہ

حسب پروگرام قائداحرار 16 مارچ بروز جمعرات تلہ گنگ پہنچے جہاں ڈاکٹر عمر فاروق احرار، ڈاکٹر محمد آصف، مفتی تنویرالحسن احرار، مولانا محمد فیضان، مولانا محمد شعیب، مولانا محمد حذیفہ، اور دیگر احرار رضا کاروں نے استقبال کیا، مرکز ختم نبوت جامع مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلہ گنگ میں غیر رسمی اجلاس میں شرکت کی۔ 17 مارچ قائد احرار موھڑہ کورچشم چکوال تشریف لے گئے۔ جہاں قاری محمد عثمان معاویہ نے استقبال کیا۔ علاقہ بھر سے عوام کی بڑی تعداد قائداحرار کی محبت میں موجود تھی۔

جامعہ اسلامیہ موھڑہ کورچشم کی زیرتعمیر عمارت کا دورہ کیا۔ بعدازاں مرکزی جامع مسجد موھڑہ کورچشم میں اجتماع جمعہ سے تفصیلی خطاب کیا۔ قائداحرار نے استقبال رمضان اور خدمات مجلس احرار اسلام بسلسلہ تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر تفصیلی گفتگو کی۔ بعدازں قائدتحریک خدام اہلسنت حضرت مولانا قاضی ظہورالحسین اظہر اور ان کے فرزندو جانشین قاضی ظاھر حسین جرار کو قائداحرار نے فون کرکے ان کی خیریت معلوم کی اور تبادلۂ خیال کیا۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہٗ نے قائداحرار کی چکوال آمد پر خوشی کا اظہار اور خیر مقدم کیا۔ چونکہ حضرت قاضی صاحب دامت برکاتہم اپنے گاؤں میں تشریف لے گئے تھے اس لیے ملاقات نہ ہوسکی۔ قائداحرار نے حضرت قاضی صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ دوبارہ چکوال آمد پر آپ کے ہاں ضرور حاضر ہوں گا۔ جس پر حضرت نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور دعاؤں سے نوازا۔ قائداحرار چکوال سے راولپنڈی کے لیے عازم سفر ہوئے۔ قافلے میں مولانا محمد فیضان اور مفتی تنویرالحسن احرار شامل تھے۔ ڈھیری حسن آباد راولپنڈی میں مولانا محمد فیضان کے عزیزوں نے قائداحرار کا خیر مقدم کیا اور جماعت کے حوالے سے تعارفی نشست ہوئی۔ بھائی فرحان عباس اور دیگر احباب نے بہت محبت دی۔ نماز عشاء سے قبل مصریال روڈ جامع مسجد رحیمہ شیریں پہنچے جہاں مولانا عبدالماجد، قاری عمران، مولانا انور، مولانا مبشر اور دیگر علماء نے استقبال کیا نماز عشاء کے بعد قائداحرار نے خدمات مجلس احرار اسلام کے حوالے سے مختصر گفتگو کی۔

رات کا قیام مولانا محمد شاکر سمیع خطیب کوہ نور مسجد کے پاس تھا۔ مولانا بھی فنافی الاحرار ہیں 18 مارچ کی صبح خادم ابناء امیر شریعت بھائی محمد ناصر جالندھری کی قیام گاہ پہ تشریف لے گئے۔ ناشتہ کے بعد قافلہ احرار ٹیکسلا روانہ ہوا۔ مولانا عبدالرؤف صدیقی خطیب جامع مسجد الکوثر واہ کینٹ کے ادارے میں جاری دورہ تفسیر القرآن الکریم

کی نشست سے خطاب کیا بعدازاں سکول کی سالانہ رزلٹ کی تقریب ماڈل ٹاؤن شادی ہال میں منعقد تھی جس میں بحیثیت مہمان خصوصی شریک ہوئے۔ انتظامیہ نے استقبال کیا اور شاہ جی نے پررونق پروگرام میں حضرات وخواتین سے علم دین کی اہمیت اور عصر حاضر کے تقاضے کے عنوان پہ تفصیلی گفتگو کی۔ سکول کی تقریب سے فارغ ہوکر اسلام آباد روانہ ہوئے جہاں قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتھم کی عیادت کی، مختلف ملکی مسائل اور باہمی دلچسپی کے امور پر طویل گفتگو ہوئی۔ اسلام آباد کے سفر میں ترجمان جمعیت پنجاب اقبال اعوان بھی شریک سفر تھے۔ بعدازاں اسلام آباد سے تلہ گنگ واپسی ہوئی۔ 19 مارچ کو چکڑالہ ضلع میانوالی میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس تھی قائد احرار ڈاکٹر محمد آصف، ڈاکٹر محمد عمر فاروق سمیت دیگر احباب کے ہمراہ چکڑالہ پہنچے سرزمین چکڑالہ سرخ ہلالی پرچموں سے جگمگا رہی تھی۔ مقررہ وقت پر کانفرنس کا آغاز ہوا جانشین امام الزاھدین حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی، فخر سادات مولانا سید علی معاویہ شاہ صاحب نے بہت جامع خطابات کیے۔ جناب مولانا ارشد قاسمی نے خوب صورت انداز سے نعتیہ کلام پیش کیا۔ اسی اثناء حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب مدظلہٗ نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور قائد احرار مولانا سید محمد کفیل بخاری مُدَّ ظِلُّہ اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ شاہ جی نے تفصیل کے ساتھ تحفظ عقیدہ ختم نبوت اور مجلس احرار اسلام کے عنوان پہ خطاب کیا۔ آخر میں حضرت مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہٗ کی دعا سے کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ مجلس احرار اسلام چکڑالہ کے ذمہ داران ملک عبداللہ علوی، بھائی امتیاز حسین، بھائی عبدالخالق، مولانا محمد یونس اور مولانا شفیق الرحمان سمیت دیگر احرار کارکنان کی خدمات اس کانفرنس کے حوالے سے قابل تحسین رہیں۔ چکڑالہ سے فارغ ہوکر قائد احرار کارکنان احرار کی معیت میں دندہ شاہ بلاول پہنچے جہاں سادات ہمدانی کا مرکز ہے اور آج بھی یہ خاندان مرجع خلائق ہے حضرت شاہ محمد اسحاق مدظلہ، شاہ محمد وقاص ہمدانی، مفتی آصف محمود اور مولانا تجمل حسین نے استقبال کیا۔ حضرت مولانا سید شاہ عبدالمالک ہمدانی کی امامت میں نماز عشاء ادا کی اور شاہ جی کا بیان عشاء کے متصل بعد ہوا۔

اللہ اکبر کیا نورانی ماحول تھا، خانقاہیں آباد ہیں، اللہ اللہ کی ضربیں لگ رہی ہیں یہ خانقاہ سادات ہمدانیہ کا مرکز ہے رات گئے دندہ شاہ بلاول سے تلہ گنگ واپسی ہوئی۔ یوں قائد احرار کا دورہ مکمل ہوا اور بھرپور دعوتی مہم اور جماعت کے مشن وکاز کی آواز لگا کر 20 مارچ کو ملتان کی طرف واپسی کا سفر ہوا۔

چیچہ وطنی میں شہداء ختم نبوت کی یاد میں منقبتی مشاعرہ

(رپورٹ: حکیم حافظ محمد قاسم) مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے زیر اہتمام شہداء ختم نبوت کو خراجِ تحسین پیش

کرنے کے لیے ایک منقبتی مشاعرہ مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر مجاہد ختم نبوت عبداللطیف خالد چیمہ کی زیرنگرانی اور معروف شاعر وادیب جناب اکرام الحق سرشار کی زیرصدارت دفتر مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی میں 13 مارچ بروز سوموار بعد نماز عشاء منعقد ہوا، اس منقبتی مشاعرے کے مہمان خصوصی معروف منقبت نواز نوجوان شاعر جناب نادر صدیقی، ڈاکٹر شاہد رضوان، معروف پنجابی شاعر محمد حنیف صوفی تھے۔ان کے علاوہ مقامی شعراء میں محمد نعیم بھٹی، جناب وحید عاجز، جناب مقصود ثاقب، جناب عابد شہزاد، جناب ارشد نادم، جناب منظور الحق بھی مشاعرے میں شریک تھے۔تمام شعراء نے شہداء ختم نبوت 1953ء کو شاعری کی صورت میں خراج تحسین پیش کیا۔ پروگرام کا آغاز ناظم حکیم حافظ محمد قاسم کی خوبصورت تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا اور نعتیہ کلام حافظ احسن منظور اور مجلس احرار اسلام چشتیاں کے رہنماء قاری محمد عطاء اللہ کے فرزند مولانا محمد معاویہ نے پڑھا، پروگرام کی نظامت معروف مذہبی سکالر جناب حافظ عابد مسعود ڈوگر اور جناب محمد قاسم چیمہ نے خوبصورت انداز میں نبھائی، مجاہد ختم نبوت عبداللطیف خالد چیمہ نے افتتاحی کلمات میں کہا کہ ہم نے اپنی ابتدائی جوانی میں جانشین امیر شریعت حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی شاعری سنی اور پڑھی۔اور چیچہ وطنی میں معروف شعراء ختم نبوت کے محاذ پر کلام پڑھے گئے تھے۔جبکہ گزشتہ کئی برسوں سے مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے زیراہتمام ایک مشاعرہ منعقد کروایا جاتا ہے اور منقبت کی صورت میں خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔مشاعرہ تقریباً دو گھنٹہ سے زیادہ جاری رہا اور عوام کی ایک بڑی تعداد جم کر بیٹھی رہی۔شعراء کرام کے کلام پر خوب داد دی، خصوصاً جناب نادر صدیقی نے مشاعرہ لوٹ لیا اور ہم عصر شعراء سے داد وصول کی، آخر میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر نبیرہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے اختتامی کلمات اور دعا پر یہ شعری نشست اختتام پذیر ہوئی۔

خلیفۂ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت پر دفتر احرار چیچہ وطنی میں تقریب

(رپورٹ: مولانا محمد سرفراز معاویہ) مجلس احرار اسلام اور مجلس خدام صحابہ چیچہ وطنی کے زیراہتمام خلیفۂ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کی مناسبت سے دفتر احرار جامع مسجد چیچہ وطنی میں ایک خصوصی نشست قائد قافلہ حاجی عبداللطیف خالد چیمہ کی زیرصدارت منعقد ہوئی، جس سے خطاب کرتے ہوئے صدر مجلس اور علماء کرام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا، مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر مفکر احرار الحاج عبداللطیف خالد چیمہ، مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے مبلغ مولانا محمد سرفراز معاویہ، حکیم حافظ محمد قاسم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علی سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے میرے ساتھ

بغض رکھا اس نے علی کے ساتھ بغض رکھا اور اس نے اللہ سے بغض رکھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی بہادری میں بے مثال تھے، معرکہ احد میں سیدنا علی کو سولہ زخم لگے، جس طرح بہادری میں معروف تھے اسی طرح سیدنا علی فقیہ بھی تھے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشکل اور دقیق مسائل کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی تمام مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے اور آپ سے محبت ایمان ہے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے، تا قیامت لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دانائی اور حکمت سے روشنی ملتی رہے گی، علاوہ ازیں مولانا سرفراز معاویہ نے قاری محمد قاسم کی معیت میں گزشتہ روز پیغام ختم نبوت کے سلسلہ میں ساہیوال کا دورہ کیا، مولانا اُسامہ عزیر بھی ان کے ہمراہ تھے۔

ساہیوال میں دفتر احرار کی افتتاح تقریب

مجلس احرار اسلام ضلع ساہیوال کے ضلعی دفتر کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مجاہد ختم نبوت، مفکر احرار قائد قافلہ الحاج عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ احرار، سامراج دشمنی اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا استعارہ ہے، ہمارے اکابر 93 برسوں سے قیام حکومت الٰہیہ کے لیے سرگرم عمل ہیں، انہوں نے کہا کہ حکمرانی کا حق اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ یہ خطہ اسلام کے نفاذ کے نام پر معرضِ وجود میں آیا، اب اسلام کے نام پر ہی قائم رہ سکتا ہے، قبل ازیں ختم نبوت سینٹر آبپارہ ٹاؤن ساہیوال میں مولانا اسامہ عزیر کی میزبانی میں شہداء ختم نبوت (1953ء) سیمینار سے عبداللطیف خالد چیمہ، قاری منظور احمد طاہر، مولانا اسماعیل قطری، قاری سعید ابن شہید، قاری بشیر احمد رحیمی، محمد قاسم چیمہ، مولانا محمد عابد نے خطاب کیا اور کہا کہ شہداء ختم نبوت کا خون بے گناہ رنگ لایا اور قادیانی بھٹو مرحوم کے دور اقتدار میں اسمبلی کے فلور پر غیر مسلم اقلیت قرار پائے، لیکن قادیانی اپنی متعینہ حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں، سیمینار کی صدارت محمود احمد رشیدی نے کی، علاوہ ازیں دینی حلقوں نے مجلس احرار اسلام کو ساہیوال میں ضلعی دفتر کے قیام پر مبارکباد پیش کی ہے اور شہداء ختم نبوت 1994ء قاری بشیر احمد حبیب اور اظہر رفیق رحمہما اللہ کی خدمات جلیلہ کو بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے، سیمینار کی قراردادوں میں ملک میں بڑھتی ہوئی سیاسی انتہا پسندی اور سیکولر دہشت گردی پر تشویش کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ اسلام کو بطور نظام حیات نافذ کیا جائے، مرتد کی شرعی سزا نافذ کی جائے، امتناع قادیانیت قوانین پر مؤثر عمل درآمد کرایا جائے اور قادیانیوں کو آئین و قانون کا پابند بنایا جائے۔

مسافران آخرت

☆.....قاری حبیب الرحمٰن (مدیر القاری، جامعہ صدیقیہ، گلشنِ راوی، لاہور) کی والدہ محترمہ 29 مارچ 2023ء کو انتقال کر گئیں۔

☆.....پیر طریقت حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بڑے بھائی حضرت سید مسعود الحسن شاہ صاحب 3 اپریل 2023ء کو انتقال فرما گئے۔

☆.....مجلس احرار اسلام چناب نگر کے قدیم کارکن جناب مولوی اظہر صاحب وھاب کی جھلار والے کے والد 18 رمضان المبارک 1444ھ 9 اپریل 2023ء کو انتقال کر گئے۔

☆.....مجلس احرار اسلام یونٹ جمیل آباد ملتان کے ناظم جناب قاری احسان الحق صاحب کے والد گرامی قاری منیر احمد منور 14 رمضان المبارک 1444 ہجری مطابق 05 اپریل 2023ء بروز بدھ انتقال کر گئے۔

☆.....مجلس احرار اسلام ملتان کے نائب ناظم نشر و اشاعت عدنان ملک کے نانا جان مرحوم، انتقال: 10 رمضان المبارک 1444 ہجری مطابق یکم اپریل 2023ء

☆.....کراچی: مجلس احرار اسلام سندھ کے امیر مفتی عطاء الرحمٰن قریشی کی والدہ ماجدہ 11 فروری 2023ء کو انتقال فرما گئیں۔

☆.....مجلس احرار اسلام (بستی مولویان رحیم یار خان) کے بزرگ کارکن جام محمد اقبال چوہان 7 اپریل 2023ء کو انتقال کر گئے۔

☆.....چیچہ وطنی سابق مرکزی ڈپٹی سالار جمعیت علماء اسلام پاکستان، مجاہد ختم نبوت پیر جی قاری انیس الرحمان رائے پوری 19 رمضان المبارک 1444ھ 10 اپریل 2023ء کو انتقال کر گئے۔

☆.....مدرسہ معمورہ دار بنی ہاشم کے مدرس قاری محبوب الرحمٰن کے بڑے بھائی قاری خلیل الرحمٰن مرحوم ٹریفک حادثہ میں انتقال کر گئے۔ 16 رمضان 1444ھ، 7 اپریل 2023ء

(نازش ہما قاسمی)

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے جانشین اور بھانجے، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (انڈیا) کے ناظم اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمہ اللہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی پیدائش 1929 میں رائے بریلی کے تکیہ کلاں میں ہوئی، آپ مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے بھانجے تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے، ان کے علاوہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمی کے رکن اساسی، عالمی

رابطہ ادب اسلامی سعودی عرب کے نائب صدر، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، دینی تعلیمی کونسل، اتر پردیش اور دارعرفات، رائے بریلی کے صدر نیز دارالمصنفین، اعظم گڑھ کے رکن، آکسفرڈ یونیورسٹی کے آکسفرڈ سینٹر برائے اسلامک اسٹڈیز کے ٹرسٹی، تحریک پیام انسانیت اور اسلامی فقہ اکیڈمی، انڈیا کے سرپرستوں میں شامل تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے خاندانی مکتب رائے بریلی میں ہی مکمل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ 1948ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فضیلت کی سند حاصل کی۔ اس دوران 1947ء میں ایک سال دار العلوم دیوبند میں بھی قیام رہا۔ 1949ء میں تعلیم مکمل ہونے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معاون مدرس کے طور پر تقرر ہوا۔ اس کے بعد دعوت وتعلیم کے سلسلہ میں 1950ء، 1951ء کے دوران حجاز، سعودی عرب میں قیام رہا۔ 1955ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کلیۃ اللغۃ العربیۃ کے وکیل منتخب ہوئے اور 1970ء کو عمید کلیۃ اللغۃ العربیہ مقرر ہوئے۔ عربی زبان کی خدمات کے لیے انڈیا کونسل اتر پردیش کے جانب سے اعزاز دیا گیا۔ اس کے بعد اسی سال صدارتی اعزاز بھی دیا گیا۔ 1993ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم بنائے گئے، اس کے بعد 1999ء میں نائب ناظم ندوۃ العلماء اور 2000ء میں حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کی وفات کے بعد ناظم ندوۃ العلماء مقرر ہوئے۔ دو سال بعد جون، 2002ء میں حیدرآباد، دکن میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر قاضی مجاہدالاسلام قاسمی مرحوم کی وفات کے بعد متفقہ طور پر صدر منتخب ہوئے۔ مولانا رابع حسنی ندوی نے دنیا کے متعدد ممالک میں سفر کیے۔ امریکا، جاپان، مراکش، ملائیشیا، مصر، تونس، الجزائر، ازبکستان، ترکی، جنوبی افریقا اور متعدد عرب، یورپی اور افریقی ممالک کے اسفار کیے۔ 22/رمضان المبارک 1444ھ/13 اپریل 2023ء کو 92 سال کی عمر میں انتقال ہوا اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔

تعمیر جدید دارالقرآن

اعلان داخلہ

10 تا 20 شوال المکرّم 1444ھ

درجہ کتب میں متوسطہ سے درجہ سابعہ تک

جبکہ درجہ قرآن میں محدود داخلے ہوں گے

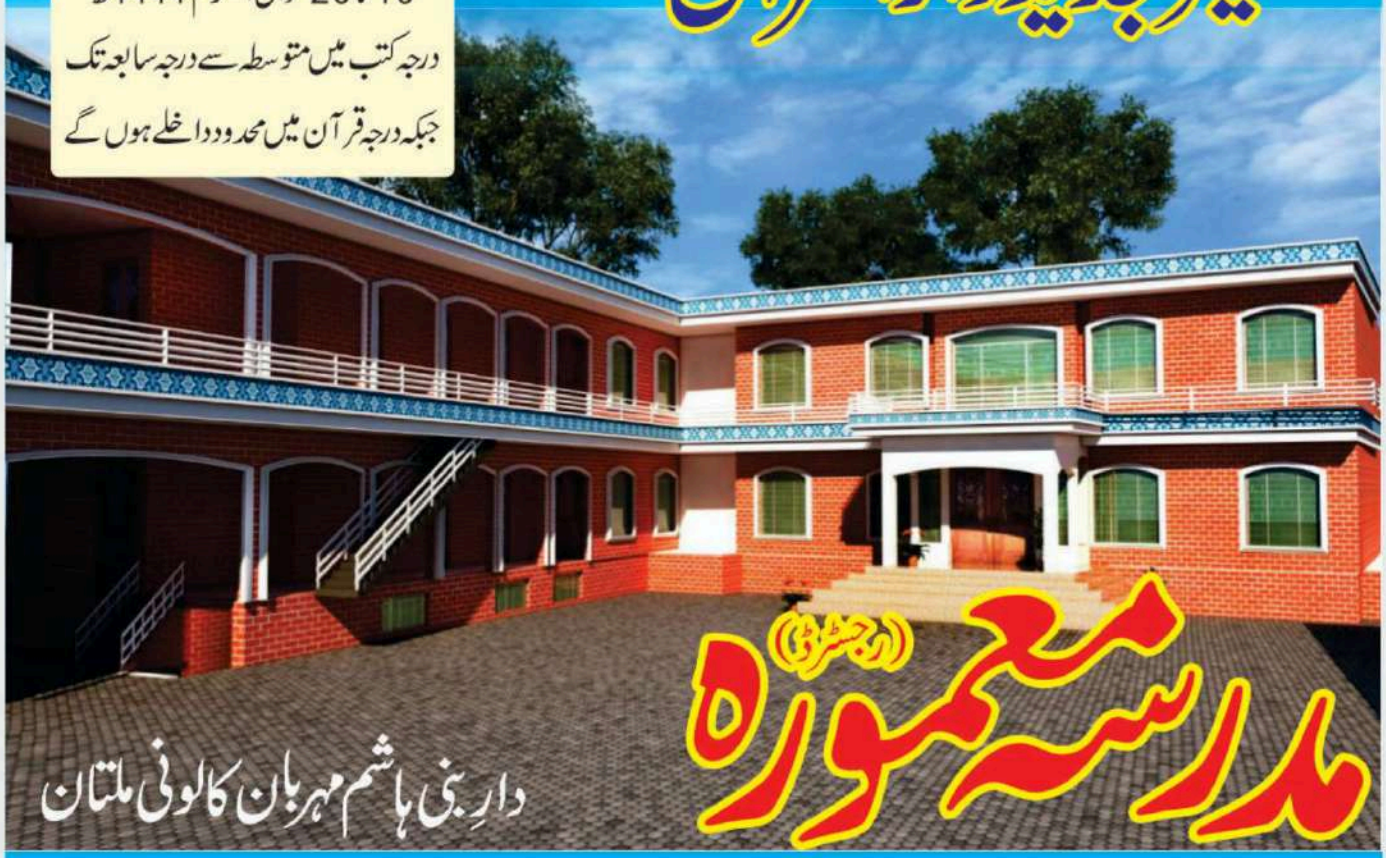

مدرسہ معمورہ (رجسٹرڈ)

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

الحمدللہ بیسمنٹ ہال، دارالقرآن، دفاتر اور لائبریری کی تعمیر جدید (17,500,000) ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپے سے مکمل ہو چکی ہے۔

★ درجہ کتب کے طلباء کے لیے درس گاہوں، دارالحدیث، دارالاقامہ پر مشتمل نئی عمارت کی تعمیر باقی ہے جس کا تخمینہ تقریباً (3,00,00,000) تین کروڑ روپے سے متجاوز ہے۔

رابطہ برائے ترسیل زر و تعاون

حکومت کی مدارس دشمن پالیسیوں کے تحت کئی مدارس کے بنک اکاؤنٹ بند کر دیے گئے ہیں۔
مدرسہ معمورہ کا اکاؤنٹ بھی بند کر دیا ہے۔ تعاون کے لیے آپ مہتمم مدرسہ سے براہ راست رابطہ فرمائیں۔

061-4511961, 0300-6326621

سید محمد کفیل بخاری

مہتمم مدرسہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) .....حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲).....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY
کیئر فارمیسی
اصلی اور معیاری ادویات کے مراکز
Trusted Medicine Super Stores
24 گھنٹے سروس
Head Office: Canal View, Lahore
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!
فیصل آباد میں 13 برانچز کے بعد اب 11 شہروں جڑانوالہ، ننکانہ صاحب، شاہکوٹ، کھرڑیانوالہ، سانگلہ ہل، چک جھمرہ، چنیوٹ، جھنگ، گوجرہ، سمندری، تاندلیانوالہ
آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے سروس